مذكرة أصول الفقه

{دورة تأهيل الدعاة}

المرتب : د/ عتيق الرحمن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اصول فقہ تعریف وتدوین

اصول فقہ

❶ **تعریف باعتبار مرکب اضافی:** "اصول" اصل کی جمع ہے، لغت میں ہر وہ چیز جس پر کسی دوسری چیز کی بنیاد حسی یا عقلی طور پر رکھی جائے۔

علماء کے نزدیک "اصل" کے معانی:

(1) دلیل: مثال: (أصل هذه المسئلة الإجماع =أي: دليلها) اس مسئلہ کی دلیل اجماع ہے۔ اسی طرح: اصول فقہ یعنی فقہ کے دلائل۔

(2) راجح: مثال: (الأصل في الكلام الحقيقة) کلام میں ترجیح حقیقی معنی کو ہوتی ہے۔

(3) قاعدہ: مثال: (إباحة الميتة للمضطر على خلاف الأصل=أي: خلاف القاعدة) مجبور کیلیے مردار کی اباحت قاعدے وضابطے کے خلاف ہے۔

(4) استصحاب: (حسب معمول) مثال (الأصل براءة الذمة)۔۔۔ (معاملہ کو اس کی سابقہ صورت پر محمول رکھنا)

"فقہ" کے معانی:

لغوی لحاظ سے "کسی چیز کو جاننا اور سمجھنا" جیسا کہ (قالوا یا شعیب ما نفقه كثيرا مما تقول) یعنی اے شعیب ہمیں تیری اکثر باتیں سمجھ نہیں آتی کہ تو کیا کہتا ہے۔

اصطلاحی تعریف: " العلم بالأحكام الشرعية العملية المكتسبة من أدلتها التفصيلية " بندے کے افعال سے متعلق ان شرعی احکام کو جاننا جو شرعی مآخذ سے حاصل ہوئے ہوں۔

"افعال" سے مراد عبادات نماز، روز وغیرہ، معاملات سے مراد نکاح و طلاق، "احکام" سے مراد: واجب، فرض، حرام، مکروہ اور مندوب ہے۔

"شرعی ماخذ" سے مراد قرآن و سنت کی نصوص یعنی آیات و احادیث جو الگ الگ مسئلہ پر بحث کرتی ہوں۔ مثلا: (حرّمت علیکم اُمھاتکم)

❷ اصول فقہ کی تعریف باعتبار لقب:

"العلم بالقواعد والأدلة الإجمالية التي يتوصل بها إلى استنباط الفقه"

ان قواعد و ضوابط اور اجمالی دلائل کا علم جن کے ذریعہ فقہ کا استنباط کیا جائے۔ مثلاً: امر وجوب پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ "اقیموا الصلاۃ" میں امر کا صیغہ وجوب صلاۃ پر دلالت کرتا ہے۔

اور اجمالی دلائل سے مراد مصادر شریعت یعنی کتاب و سنت اور اجماع و قیاس وغیرہ کی حجیت، انواع واقسام اور ان کے مراتب وغیرہ کو جاننا ہے۔

فقیہ و اصولی: فقیہ آیات و احادیث میں بحث و تحقیق کرتا ہے کہ فلاں آیت و حدیث فلاں فلاں مسئلہ کو بیان کرتی ہے۔ جبکہ اصولی کتاب و سنت، اجماع و قیاس وغیرہ کی حجیت، نوعیت، حیثیت وغیرہ کے بارے میں بحث و تحقیق کرتا ہے کہ مصادر شریعت سے استنباط کب، کیسے ممکن ہے اور اس کی شروط و قیود وغیرہ کیا ہیں۔

ضرورت واہمیت: مجتہد بغیر کسی خطا کے با آسانی مصادر شریعت سے شرعی احکام کا استنباط کر لیتا ہے۔

اصول فقہ کا موضوع: ادلۃ الاحکام یعنی مصادر شریعت ہیں۔

اصول فقہ کے استمدادات: اصول فقہ مندرجہ ذیل چیزوں سے ماخوذ ہے.

(1) قرآن و سنت: یہ دونوں اصول فقہ کا مرکز و محور ہیں۔ بقیہ تمام مصادر بھی انہیں کے تابع ہیں، تمام علوم انہی دونوں کی طرف لوٹتے ہیں۔

(2) دین کی اساسیات کا ادراک: یعنی عقائد جنہیں علم الکلام بھی کہا جاتا ہے۔ توحید اسماء وصفات، مقاصد شریعت وغیرہ کا علم ہونا، ادلہ اجمالیہ کا انحصار اللہ تعالی کی معرفت اس کی صفات اور رسول کی تصدیق پر ہی منحصر ہے.

(3) عربی زبان و ادب پر عبور: عربی زبان کے اسالیب، دلالات، اور اشتقاقات وغیرہ پر عبور ایک اصولی کیلیے نہایت ضروری امر ہے۔

❖ اصول فقہ کی تدوین :

1- عہد نبوی: عہد نبوی میں اصول فقہ مدون نہ ہوئی کیونکہ سب کچھ وحی کے تابع تھا۔ صحابہ خود عربی زبان وادب پر مکمل عبور رکھتے تھے، بلکہ انہوں نے آپ ﷺ سے بلاواسطہ علم حاصل کیا تھا اور مشکل کے وقت آپ ﷺ کی طرف رجوع کر لیتے۔

2- عہد صحابہ: اس عہد میں بھی اصول فقہ کی تدوین کی ضرورت نہ ہوئی کیونکہ صحابہ کرام نزول وحی اور اسباب نزول دونوں کے مشاہد تھے۔ شریعت کے اسرار ورموز اور حِکَم آپ ﷺ سے سیکھ لیے تھے۔ جب کتاب و سنت میں کوئی مسئلہ نہ پاتے تو اس کی امثال کا حکم دیکھتے اور مقاصد شریعت کو مد نظر رکھتے ہوئے باہم مشاورت سے اجتہاد کر لیتے۔

3- عہد تابعین: اسی طرح تابعین بھی لغت عرب اور زمانہ وحی سے قریب تھے اور مشکل کے وقت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی طرف رجوع فرمالیتے۔ یہاں بھی کسی قسم کی تدوین کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

4- دوسری صدی کا آخر: اس وقت بلاد اسلامیہ جزیرہ عرب سے نکل کر دنیا میں پھیلنے لگا۔ عرب عجم سے مل جل گئے۔ نئے نئے مسائل درپیش آنے لگے اور اجتہاد کثرت سے ہونے لگا۔ تب فقہاء نے اجتہاد کے لیے کچھ قواعد و ضوابط مقرر کی ضرورت محسوس کی تاکہ مجتہدین اختلاف کی صورت میں ان کی طرف رجوع کریں۔

تدوین کی ابتدائی صورت: ان قواعد کا وجود ابتدائی طور پر فقہاء کے کلام میں پایا گیا جب وہ کسی مسئلہ کا حکم بیان کرتے تو دلیل ذکر کرنے کے ساتھ اس کی وجہ استدلال بھی بیان کرتے۔

اصول فقہ میں سب سے پہلے لکھنے والے: ایک قول کے مطابق اصول فقہ کے پہلے کاتب امام ابو یوسف ہیں، لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح قول یہ ہے کہ سب سے پہلے امام شافعی محمد بن ادریس رحمہ اللہ (204ھ) نے اس فن میں "الرسالۃ" تحریر کیا۔ جس میں قرآن وسنت، اجماع وقیاس اور ناسخ و منسوخ، امر و نہی اور خبر واحد کی حجیت کے بارے میں مستقل بحث فرمائی ہے۔ پھر امام احمد بن حنبل نے بھی "الناسخ والمنسوخ" لکھی۔

❖ اصول فقہ کی تدوین میں علماء کے طرق اور اسلوب ومناھج:

اس میں تین طریقے ہیں:

(1) طریقۃ المتکلمین: شافعیہ اور جمہور کا منہج: اس میں پہلے اصولی قواعد مقرر کیے جاتے ہیں، پھر ان کی تائید و تقویت کیلیے دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔ اس طریقہ میں فقہی فروعات کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔

(2) طریقۃ الحنفیۃ: اس طریقہ میں فقہی فروعات کو مد نظر رکھ کر اصول و قواعد مقرر کیے جاتے ہیں۔ یہ تطبیقی منہج ہے جبکہ متکلمین کا طریقہ نظری منہج کہلاتا ہے۔

(3) الطریقۃ الجامعہ: اس طریقہ میں دلائل کو مد نظر رکھتے ہوئے قواعد مقرر کیے جاتے ہیں، پھر فقہی فروعات کو ان قواعد سے جوڑا جاتا ہے۔ یہ طریقہ جمہور مالکیہ و شافعیہ اور حنابلہ کے ساتھ ساتھ جعفریہ کا بھی ہے۔

مشہور تصنیفات:

❖ متکلمین کے طریقہ پر لکھی جانی والی تصانیف:

(1) البرہان: امام الحرمین عبد الملک بن عبد الجوینی (413ھ) (2) المستصفی: ابو حامد محمد بن محمد الغزالی (505ھ)

❖ طریقۃ الاحناف پر لکھی جانی والی تصانیف:

(1) الاصول: ابو بکر احمد بن علی جصاص (2) الاصول: عبد اللہ بن عمر دبوسی (430ھ) (3) الاصول: فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی (482ھ)

❖ دونوں طریقوں کو جمع کرنے والی تصانیف:

(1) بدیع النظام: مظفر الدین احمد بن علی الحنفی (649ھ) (2) جمع الجوامع: عبد الوہاب بن علی سبکی شافعی (771ھ

اصول فقہ پر لکھی جانے والی مشہور کتب:

1- الموافقات: ابو اسحاق ابراہیم بن موسی شاطبی (790ھ)
2- ارشاد الفحول : محمد بن علی شوکانی (1250ھ)
3- الوجیز فی اصول الفقہ: عبد الکریم زیدان
4- اصول الفقہ: دکتور عیاض سلمی
5- اصول فقہ پر ایک نظر: عاصم الحداد

حکم شرعی اور اس کی اقسام

❖ **حکم کی تعریف:** "خطاب الله المتعلق بأفعال المكلفين بالاقتضاء أو التخييرأو الوضع"

طلب و تخییر کے لحاظ سے یا بطور علامت کے اللہ تعالیٰ کے وہ خطابات جو بندوں کے افعال سے متعلق ہوں۔

وضاحت:

طلب: یعنی وہ احکامات جن میں کسی کام کے کرنے کا مطالبہ ہو یا کسی کام کے چھوڑنے کا مطالبہ ہو۔ مثلا: واجب، فرض، حرام، مکروہ اور مستحب۔

تخییر: یعنی وہ احکامات جن میں بندے کو کام کرنے یا نہ کرنے دونوں کا اختیار ہو، اسے مباح بھی کہتے ہیں۔

بطور علامت: یعنی ایسے خطابات جو ان احکام کیلیے لیے بطور سبب، شرط یا مانع ہوں۔

خطابات: یعنی اللہ اور اس کے رسول کے تمام احکامات۔ اجماع اور دیگر ادلہ بھی اسی میں آتے ہیں کیونکہ یہ بھی اللہ کے احکامات ہی بیان کرتے ہیں۔

امثلہ: فعل کی طلب: (يا ايها الذين آمنوا أوفوا بالعقود) ترک کی طلب: (ولا تقربوا الزنا إنه كان فاحشة)

نوٹ: ایسے خطابات جو بندوں کے افعال سے متعلق نہ ہوں وہ "حکم تکلیفی" میں شمار نہیں ہوتے۔ مثلا: (والله بكل شيئ عليم).

حکم شرعی کی اقسام: اس کی دو قسمیں ہیں (1) حکم تکلیفی (2) حکم وضعی

حکم تکلیفی: " هو ما يقتضي طلب الفعل أوالكف عنه أو التخييربين الفعل أو الترك "

ایسا خطاب جس میں کسی کام کے کرنے یا چھوڑنے کا حکم ہو یا کرنے اور نہ کرنے کے درمیان اختیار دیا گیا ہو۔

وجہ تسمیہ: چونکہ کوئی کام کرنا یا چھوڑنا باعث کلفت اور مشقت ہوتا ہے اس لیے اس کو حکم تکلیفی کہا جاتا ہے۔

حکم وضعی: "هو ما يقتضي جعل شيء سببا لشيء آخر أو شرطا أو مانعا منه"

ایسا کلام اور حکم جو کسی چیز کو دوسری چیز کیلیے سبب، شرط یا مانع قرار دے۔

اقسام حکم تکلیفی: اس کی پانچ اقسام ہیں: (1)واجب(2)مندوب(3)حرام(4)مکروہ(5)مباح

✹: **واجب:** "هو ما طلب الشارع فعله على وجه اللزوم بحيث يذم تاركه ومع الذم العقاب ويمدح فاعله ومع المدح الثواب ".

ایسا حکم جو شارع نے بطور لزوم طلب کیا ہو، عمل کرنے والا تعریف اور ثواب کا مستحق اور نہ کرنے والا مذمت اور سزا کا مستحق قرار پائے۔

صیغ الوجوب : (1)امر کا وہ صیغہ جو صرف وجوب پر دلالت کرے، یعنی کسی قسم کے قرینہ سے خالی ہو۔

(2)کسی کام کے کرنے یا چھوڑنے پر سزا اور عقاب کی وعید ہو۔

واجب اور فرض کے درمیان فرق: اس میں دو قول ہیں:

1۔ جمہور :ان میں کوئی فرق نہیں۔ یہی موقف راجح ہے۔

2۔ احناف: دلیل قطعی سے ثابت ہونے والا حکم فرض مثلا: نماز، روزہ.... اور ظنی دلیل سے ثابت ہونے والا حکم واجب ہوتا ہے مثلا قربانی وغیرہ۔

لہٰذا واجب میں لزوم کم درجہ کا ہے بنسبت فرض کے، اور اسی طرح سزا بھی کم ہے بنسبت فرض کے اور واجب کا منکر کافر نہیں ہو گا اور فرض کا منکر کافر ہو گا۔

واجب کی اقسام: مختلف اعتبار سے اس کی کئی اقسام ہیں۔

❶ **ادائیگی وقت کے اعتبار سے :** (1)واجب مطلق(2)واجب مقید۔ اگر شارع نے کسی کام کا وقت مقرر کیا ہے تو واجب مقید، مثلا: نماز اور رمضان کے روزے۔ اور اگر وقت مقرر نہیں، تو واجب مطلق، مثلا: حج عمر میں کسی بھی وقت ادا کیا جا سکتا ہے۔

❷ **تحدید اور عدم تحدید کے اعتبار سے:** (1)واجب محدد(2)واجب غیر محدد۔ اگر فعل کی مقدار معین ہے تو واجب محدد مثلا: زکاۃ، وگرنہ غیر محدد، مثلا: صدقہ۔

❸ **معین و غیر معین کے اعتبار سے:** (1)واجب معین: جس میں ایک معین فعل مطلوب ہو، مثلاً: نماز، روزہ وغیرہ۔(2)واجب غیر معین: جس دو یا زیادہ چیزوں میں اختیار ہو، مثلاً: کفارہ قسم: 10 مسکینوں کھانا، یا ان کو لباس دینا، یا 3 روزے رکھنا۔

❹ **مطلوبین کے اعتبار سے:**(1) واجب عینی: ہر ہر فرد سے مطلوب حکم، مثلا نماز، روزہ وغیرہ۔(2)واجب کفائی: مجموعی افراد سے مطلوب کام، اگر ان میں سے بعض بھی ادا کر لیں تو کافی ہو گا، لیکن اگر کوئی بھی نہ کرے تو تمام کے تمام گنہگار ٹھہریں گے۔ مثلا: نماز جنازہ۔ ☜ بعض دفعہ یہ بھی واجب عینی بن جاتا ہے، مثلا: جہاد۔

✸ **مندوب:** لغوی معنی: "اہم کام کی طرف بلانا"۔ **اصطلاحی معنی :** " **ما طلب الشارع فعله من غير إلزام ، بحيث يمدح فاعله ويثاب ، ولا يذم تاركه ولا يعاقب وقد يلحقه اللوم والعتاب على ترك بعض أنواع المندوب".**

" وہ حکم جو شریعت نے غیر الزامی طور پر دیا ہو، کرنے والا ثواب اور تعریف کا مستحق ہو اور نہ کرنے والا سزا اور ملامت کا مستحق نہ ہو"۔ مثلا:«صَلُّوا قَبْلَ المَغْرِبِ»،قَالَ فِي الثَّالِثَةِ: «لِمَنْ شَاءَ» .

صیغ الندب: ندب اور واجب دونوں کا صیغہ امر یعنی طلب کا ہوتا ہے مگر اس میں ایک قرینہ ہوتا ہے جو اس کے لزوم کو ختم کر دیتا ہے، مثلا "لمن شاء "

مندوب کے **دیگر اسماء:** (1)سنت،(2)مستحب،(3)تطوع،(4)نفل،(5)احسان،(6)فضیلۃ۔

مندوب کے مراتب:

اعلی ترین مرتبہ: جس پر آپ ﷺ نے ہمیشگی اختیار (مواظبت) کی ہو۔ کبھی نہ چھوڑا ہو۔ مثلا فجر سے پہلے دو رکعت اور نماز وتر وغیرہ۔

اعلیٰ مرتبہ: جس پر عمل کیا ہو مگر ہمیشگی اختیار نہ کی ہو۔ مثلا: عصر سے پہلے چار رکعت نماز کی ادائیگی، وغیرہ۔

ادنی: آپ ﷺ کی عام عادات مثلا کھانے، پینے، اٹھنے، بیٹھنے اور چلنے وغیرہ میں موافقت و پیروی کرنا۔

ملاحظہ 1: مندوب فرض کیلئے مقدمہ کی حثیت رکھتا ہے

یعنی اس کی ادائیگی کو آسان بنا دیتا ہے۔

ملاحظہ 2: مندوب انفرادی اعتبار سے مندوب کہلاتا ہے لیکن اجتماعی اعتبار سے وہ فرض کفائی کے حکم میں ہوتا ہے مثلاً نکاح وغیرہ۔

حرام: **هو ما طلب الشارع الكف عنه على وجه الحتم والإلزام فيكون تاركه مأجورا مطيعا ، وفاعله آثما عاصيا.**

"ایسے کام جن سے شریعت نے لازمی طور پر رکنے کا مطالبہ کیا ہو۔ رکنے والا ستائش اور اجر کا مستحق اور مرتکب نافرمان اور گنہگار قرار پائے"۔

صیغ التحریم: (1) حرمت اور عدم حلال کے واضح الفاظ ہوں۔ مثلاً: **(حرمت عليكم أمهاتكم)/(لا يحل مال امرئ مسلم الا بطيب من نفسه)**

(2) ایسے کلمات میں جن میں رکنے اور باز رہنے کی دلالت ہو۔ مثلاً: **(انما الخمر والميسر والانصاب ---رجس ---فاجتنبوه)**

(3) سزا کی وعید سنائی گئی ہو۔ مثلاً: **(والذين يرمون المحصنات---- فاجلدوهم ثمانين جلدة)**

اقسام حرام: (1) **حرام لذاتہ:** **"هو ما حرمه الشارع ابتداء لما فيه من الأضرار والمفاسد الذاتية".**

ایسی چیزیں جن کے داخلی مفاسد و نقصانات کی وجہ سے شریعت نے شروع سے ہی روک دیا ہو۔ مثلاً: زنا اور قتل وغیرہ۔

(2) حرام لغیرہ: **"هو ما كان مشروعا في الأصل ، إذ لا ضرر فيه ولا مفسدة ، أو أن منفعته هي الغالبة ولكنه اقترن بما اقتضى تحريمه".**

ایسی چیز جو خود تو حلال ہو مگر موقع محل یا ساتھ ملے کسی سبب کی وجہ سے حرام قرار پائے۔ مثلاً: روزے کی حالت میں کھانا پینا۔

حرام لغیرہ کا حکم: اس میں دو قول ہیں؛ (1) اپنی اصل کے اعتبار سے تو مشروع ہے، جبکہ ساتھ ملے سبب یا موقع و محل کی وجہ سے غیر مشروع ہے، لہٰذا اس کی مشروعیت والی جہت ہی غالب ہے، عمل واقع ہو تو جائے گا مگر گناہ کے ساتھ مثلاً "چھینی ہوئی جگہ پر نماز"، نماز تو صحیح ہو گی مگر گناہ کے ساتھ۔

(2) بعض نے اس کی فساد والی جہت کو غالب مانا ہے، لہذا عمل شرعاً واقع نہیں ہو گا اور گناہ بھی ہو گا۔

مکروہ تحریمی اور حرام میں فرق: اگر حرمت قطعی دلیل سے ہو رہی ہے تو حرام اور اگر ظنی دلیل سے تو مکروہ تحریمی (احناف)۔

جبکہ جمہور یہ فرق نہیں کرتے۔

✹ مکروہ کی تعریف: "ما كان تركه أولى من فعله ".

جس فعل کو شارع نے چھوڑنے کا مطالبہ بغیر لزوم کے کیا ہو۔

کراہت کے صیغے یا الفاظ: 1-ایسا لفظ جو خود کراہت پر دلالت کرے **مثل**: "ان الله يكره لكم قيل وقال" .

2- نہی کا صیغہ جو قرینے کی وجہ سے کراہت پر دلالت کرے **مثل**: "لا تسألوا عن أشياء إن تبدلكم تسؤكم" .

حکم المکروہ: تارک مکروہ کی مدح کی جاتی ہے اور اسے ثواب ملتا ہے اور اس کا فاعل گنہگار نہیں ہوتا لیکن ملامت زدہ ہوتا ہے.

حنفیہ کے نزدیک مکروہ کی اقسام دو قسمیں: 1-مکروہ تحریمي: جس میں رکنے کا مطالبہ لازمی ہو لیکن دلیل ظنی ہو جیسے کسی کی بیع پر بیع کرنا. 2-مکروہ تنزیہی: جس میں رکنے کا مطالبہ حتمی نہ ہو. جیسے جنگی ضرورت میں گھوڑے کا کھانا.

✹ مباح کی تعریف: جس کے کرنے یا نہ کرنے میں شارع نے اختیار دیا ہو. اسے حلال بھی کہتے ہیں.

صيغ الاباحة: چار ہیں: 1-شارع نے حلال کا لفظ بولا ہو جیسے "اليوم أحل لكم الطيبات"

2-شارع نے نفی اثم یا نفی جناح یا نفی حرج کا لفظ بولا ہو جیسے: "لا جناح عليكم"

3-امر کا صیغہ لیکن قرینہ کی وجہ سے اباحت پر دلالت کرے جیسے: "وإذا حللتم فاصطادوا" .

5- استصحاب: چیزوں کی سابقہ اباحت سے استدلال کرنا. یعنی شریعت کے آنے سے پہلے کا حکم.

عزیمت اور رخصت کا بیان:

عزیمت کی تعریف: لغوی معنی پختہ ارادہ کرنا **اصطلاحی تعریف:** اسم لما طلبه الشارع أو أباحه على وجه العموم"

وہ چیز جس کا شارع نے عمومی طور پر مطالبہ کیا ہو یا عمومی طور پر مباح قرار دیا ہو۔ جیسے نماز کا حکم اور کھانے پینے کی حلت کا بیان

رخصت کی تعریف: لغوی معنی آسانی.

اصطلاحی تعریف:

"اسم لما أباحه الشارع عند الضرورة تخفيفا عن المكلفين ودفعا للحرج عنهم . وہ چیز جسے شارع نے ضرورت کے وقت مکلفین سے تنگی کو دور کرتے ہوئے اور تخفیف کرتے ہوئے مباح قرار دیا ہو۔

رخصتوں کی اقسام: رخصت کی تین قسمیں ہیں۔

1۔ ضرورت کے تحت حرام چیز کا مباح ہونا۔ جیسے اضطراری کیفت میں کلمہ کفر کہنا جبکہ دل ایمان پر مطمئن ہو

2۔ واجب کے چھوڑنے کا جائز ہونا جیسے مسافر اور مریض کیلئے رمضان میں روزہ چھوڑنا۔

3۔ بعض عقود جو شرعی قاعدہ کے خلاف ہیں انہیں لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر جائز قرار دینا جیسے بیع سلم جائز ہے حالانکہ یہ معدوم چیز کی بیع ہے۔

حکم وضعی اور اس کی اقسام

حکم وضعی کی تعریف: جس میں ایک چیز کو دوسری چیز کیلیے سبب، مانع یا شرط بنایا گیا ہو.

وجہ تسمیہ: اس میں ایک کو دوسرے کے ساتھ جوڑا گیا ہے شارع کے وضع کرنے کی وجہ سے.

مثال السبب: "والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما " سرقہ یعنی چوری سبب ہے ہاتھ کاٹنے کا.

مثال الشرط: " لا يقبل الله صلاة أحدكم إذا أحدث حتى يتوضأ" یعنی نماز کیلیے وضو شرط ہے.

مثال المانع: " رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتى يستيقظ" نیند تکلیف سے مانع ہے.

حکم تکلیفی اور حکم وضعی میں فرق: دو فرق ہیں: 1- تکلیفی میں کسی کام کا کرنا یا چھوڑنا یا مباح ہونا بیان کیا جاتا ہے. جبکہ حکم وضعی میں ایک چیز کو دوسری چیز کیلیے سبب یا شرط یا مانع بنایا جاتا ہے.

2- حکم تکلیفی میں حکم ایک ایسا معاملہ ہوتا ہے جو مکلف کی طاقت و قدرت میں ہوتا ہے جیسے نماز پڑھنا جبکہ حکم وضعی میں کبھی تو مکلف کی قدرت میں ہوتا ہے جیسے چوری کرنا اور کبھی مکلف کی قدرت سے باہر ہوتا ہے جیسے رمضان کے چاند کا طلوع ہونا.

حکم وضعی کی اقسام: تین قسمیں ہیں: **1- السبب:** ہر وہ چیز جس کی موجودگی کو شارع نے حکم کی موجودگی پر علامت مقرر کیا ہو اور اس کی عدم موجودگی کو حکم کے عدم پر علامت بنایا ہو. جیسے زنا وجوب حد کا سبب اور علامت ہے.

2- الشرط: جس میں ایک چیز کا وجود دوسری چیز پر موقوف ہو لیکن پہلی چیز کے موجود ہونے سے دوسری چیز کا موجود ہونا لازم نہ آتا ہو جیسے وضوء نماز کیلیے شرط ہے.

شرط کی اقسام: اس کی دو قسمیں ہیں: **1- شرط شرعی:** جس میں شرط کا تعین شارع کی جانب سے ہو. جیسے وضوء نماز کے لئے شرط

2- شرط جعلی: جس میں شرط کا تعین مکلف کی جانب سے ہو. جیسے لوگوں کا آپس میں شرط لگانا.

3- المانع: وہ چیز جس کی موجودگی میں شارع حکم کے نہ ہونے کا فیصلہ دے. جیسے باپ ہونا یہ قصاص سے مانع ہے. اسی طرح قرض کا ہونا مانع ہے زکاۃ کے وجوب کیلئے، وہ قرض جو نصاب کو کم کر دینے والا ہو.

صحت اور بطلان کا بیان

صحت کی تعریف: مکلف کا فعل جب مکمل شروط اور ارکان کے ساتھ ادا ہو تو اس پر شارع صحت (یعنی صحیح ہونے) کا حکم لگاتی ہے

صحیح ہونے کا معنی: اس فعل کے مقرر کردہ شرعی آثار اور نتائج مرتب ہونگے یعنی صحیح نماز کی ادائیگی پر مکلف کا ذمہ بری ہو جائیگا

بطلان کی تعریف: مکلف کا فعل جب مکمل شروط اور ارکان کے ساتھ ادا نہ ہو تو اس پر شرع عدم صحت یا بطلان کا حکم لگاتی ہے۔

باطل ہونے کا معنی: اس فعل کے مقرر کردہ شرعی آثار اور نتائج مرتب نہ ہونگے یعنی باطل نماز کی ادائیگی پر مکلف کا ذمہ بری نہ ہو گا۔

باطل اور فاسد جمہور علماء اور فقہائے حنفیہ کے مابین: 1۔عبادات میں اگر خرابی واقع ہو (خرابی رکن میں ہو یا شرط میں) تو دونوں کے نزدیک اسے باطل اور فاسد کا نام دیا جاتا ہے۔

2۔اور اگر خرابی معاملات میں پائی جائے تو جمہور اسے باطل اور فاسد کا نام دیتے ہیں

جبکہ علمائے احناف اسے فاسد کہتے ہیں باطل نہیں کہتے۔باطل کا معنی یہ ہے کہ وہ سرے سے منعقد نہیں ہوا اور نہ ہی اس پر کوئی نتیجہ مرتب ہو گا جبکہ فاسد یہ ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ منعقد ہو گا اور اس پر بعض آثار بھی مرتب ہونگے جیسے ادھار پر کوئی چیز فروخت کرنا لیکن اجل مجہول ہو تو یہ بیع فاسد ہو گی باطل نہ ہو گی۔

حاکم

حاکم اللہ تعالی کی ذات ہے حکم اور شریعت اسی کی ہے (إن الحكم إلا لله).اور اللہ کے پیغامات پہنچنے کا واحد راستہ انبیاء کرام ہیں

ایک سوال اور اس کا جواب: کیا جس طرح انبیاء ورسل کے ذریعے احکام معلوم کیئے جاتے ہیں اسی طرح عقل کے ذریعے معلوم کئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ **جواب:** اس مسئلہ میں تین قول ہیں:

پہلا قول: افعال میں فطرتی طور پر خوبصورتی اور بدصورتی پائی جاتی ہے اور عقل اس کی پہچان بھی کر لیتی ہے لہذا اگر رسولوں کا زمانہ نہ ہو یا شریعت کے احکام کسی جگہ نہ پہنچے ہوں تو عقل جسے اچھا کہے اسپر عمل کرنا اور جسے برا کہے اسے چھوڑنا لازم ہے گویا کہ وہی اللہ کا حکم ہے اور انسان اسکا مکلف ہو گا اور اس پر جزا اور سزا کا معاملہ ہو گا۔

دوسرا قول: عقل چیزوں کی اچھائی اور برائی کو نہیں پہچان سکتی اچھی چیز وہ ہے جس کا اللہ نے حکم دیا اور بری وہ ہے جس سے اللہ نے منع کیا شریعت کا حکم آنے سے پہلے نہ کوئی حکم ہے اور نہ جزا وسزا۔

تیسرا قول: افعال میں فطرتی طور پر خوبصورتی اور بدصورتی پائی جاتی ہے اور اغلب طور پر عقل اس کی پہچان بھی کر لیتی ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہی اللہ تعالی کا حکم بھی ہے اور نہ ہی اس پر جزا وسزا کا معاملہ ہو گا صرف اتنی سی بات ثابت ہوتی ہے کہ جس کو عقل اچھا کہے اسے کرنا چاہیے اور جسے عقل برا کہے اسے چھوڑ دینا چاہیے۔(یہی قول راجح ہے)

تکلیف اور مکلف ومکلف بہ کی شروط

الأمر الأول: تکلیف: لغت میں ایسے کام کا مطالبہ کرنا جس میں کلفت اور مشقت ہو، جیسا کہ "لا یکلف الله نفسا إلا وسعها"

اصطلاحا: شارع کا بندوں کو اپنے احکام ونواہی پر عمل کا پابند بنانا۔ جیسا کہ نماز وروزہ وغیرہ کی پابندی اور زنا وچوری وغیرہ سے رکنے کی پابندی۔

مکلِف: سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ مکلَف: سے مراد جن وانسان ہے، اس کو محکوم علیہ بھی کہتے ہیں۔

نوٹ: جب بندہ اپنے فرائض کی ادائیگی کی صلاحیت رکھتا ہو، تو اس کے اقوال، افعال اور دیگر سرگرمیاں قابل اعتبار ہونگی، واجب کی ادائیگی پر وجوب ساقط ہو جائے گا۔ جرم اور گناہ کی صورت میں جانی ومالی سزا کا مستحق بھی ہو گا۔ لیکن اس صلاحیت کیلیے شرط یہ ہے کہ بندہ عاقل اور بالغ ہو۔

مکلَف کی شروط: (1) عاقل ہو کہ نفع ونقصان کی جانکاری رکھتا ہو (2) بالغ ہو۔ بلوغت کی تین نشانیاں ہیں احتلام کا ہونا پوشیدہ بالوں کا ظاہر ہونا یا پندرہ برس کی عمر کو پہنچنا۔ (3) متعلقہ احکام کو براہ راست یا بالواسطہ جانتا ہو اور سمجھتا ہو۔

جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "رفع القلم عن الثلاثة : عن النائم حتى يستيقظ، وعن الصبي حتى يحتلم، وعن المجنون حتى يفيق"

تیسری شرط تکلیف پر تین اعتراضات: **نمبر 1:** شرع میں ایسے احکام موجود ہیں جنہیں لوگ سمجھ نہیں سکتے فرمایا: (يا أيها الذين آمنوا لا تقربوا الصلاة وأنتم سكارى) لوگوں سے نشے کی حالت میں ان سے خطاب ہے حالانکہ وہ اس وقت خطاب کو سمجھ نہیں رہے.

جواب: 1- یہ خطاب نشہ کی حالت میں نہیں بلکہ صحت کی حالت میں ہے کہ نماز کے وقت کے قریب وہ نشہ نہ کریں.

2- یہ آیت شراب کی حرمت کے نازل ہونے سے پہلے کی ہے لہذا یہ حکم اب باقی نہیں ہے.

نمبر 2: آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام بشر کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں جبکہ لوگوں میں عربیوں کے علاوہ عجمی بھی ہیں جو عربی کو سمجھ نہیں سکتے لہذا ان سے خطاب کیسے ہو سکتا ہے؟

جواب: مکلف بننے کیلئے خطاب کو سمجھنا شرط ہے جو خطاب کو سمجھ نہیں سکتے وہ مکلف نہیں ہیں جب تک خطاب کو سمجھ نہ لیں لہذا انہیں چاہیے کہ وہ یا تو خود عربی سیکھیں یا عرب لوگ دوسروں کی زبان سیکھ کر ان کی زبان میں انہیں تبلیغ کریں تا کہ وہ خطاب کو سمجھ سکیں جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری زبان جاننے والے کو بادشاہوں کی طرف خط دیکر روانہ کیا تھا.

نمبر 3: قرآن مجید میں حروف مقطعات ہیں جن کے معانی کسی کو معلوم نہیں تو یہ بھی اللہ کا خطاب ہے جو سمجھ میں نہیں آتا.

جواب: 1- ان حروف میں مکلفین سے خطاب نہیں ہے لہذا یہ سمجھ نہ بھی آئیں تو کوئی مسئلہ نہیں.

2- ان حروف کا اصل مقصد کافروں کو چیلنج کرنا کہ حروف تہجی سے قرآن بنایا گیا ہے اگر یہ کسی انسان کا کلام ہے جیسے تم کہتے ہو تو اس طرح قرآن بنالاؤ یا دس سورتیں یا ایک سورت ہی. لیکن وہ عاجز آ گئے.

الأمر الثاني: مکلف بہ یعنی محکوم بہ یا محکوم فیہ ۔ان سب سے مراد "بندہ کے افعال" ہیں۔ مثلا: "اقیموا الصلاۃ" نماز کی ادائیگی کا فعل۔

مکلف بہ کی دو شروط: (1) فعل کی ادائیگی کا بالواسطہ یا بلاواسطہ مکمل علم ہو۔ (2) فعل کی ادائیگی یا ترک پر قدرت ہو، کیونکہ مقصد تو فرمانبرداری ہے۔

لہذا کوئی بھی ایسا فعل جس پر انسان قادر نہ ہو یا وہ بندے کے اختیار میں نہ ہو وہ محکوم فیہ نہیں ہو سکتا۔

سوال : فعل پر قدرت ہونا تو شرط ہے، لیکن کیا اگر فعل میں مشقت ہو تو فعل ساقط ہو جائے گا ؟۔ **جواب:** نہیں! مشقت تین طرح کی ہوتی ہے۔

(1) عمومی مشقت، یہ تو ہر فعل میں ہوتی اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا مثلا آدمی کا وضوء کرنا اور نماز پڑھنا۔

(2) غیر عمومی مشقت۔ مثلا: سفر میں روزہ۔ تو اس صورت میں شریعت رخصت کے احکام دے دیتی ہے کہ بعد میں ادا کر لیں.

(3) وہ مشقت جو فعل کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ مکلف نے خود اپنے اوپر ڈالی ہے جیسے دھوپ میں ننگے پاؤں کھڑے ہو کر روزے کی تکمیل کی نذر ماننا۔ اس مشقت پر کوئی اجر نہیں ہے اور یہ مشقت اٹھانا جائز بھی نہیں ہے۔

اہلیت اور عوارض اہلیت کا بیان

اہلیت: کسی فعل کی ادائیگی تب ہی ممکن ہو گی جب بندہ اس کی ادائیگی کی صلاحیت رکھتا ہو اسے اہلیت کہتے ہیں۔ اہلیت دو طرح کی ہے۔

(1) **اہلیت وجوب:** انسان کی وہ صلاحیت جس میں اس کے لئے اور اس پر شرعی حقوق ثابت ہو سکیں۔

(2) **اہلیت اداء:** شرعی احکام و حقوق کی ادائیگی کی صلاحیت رکھنا . کہ جس کی موجودگی میں انسان کے اقوال و افعال معتبر ہوں اور ان پر نتائج مرتب ہوں۔

فرق: اہلیت وجوب کا دارومدار انسان کی زندگی پر ہے، جونہی انسان زندگی پاتا ہے تو کچھ احکام و حقوق اس کے ذمہ فرض ہو جاتے ہیں۔ جبکہ اہلیت اداء کا دارومدار سنِ تمیز (شعور) پر ہے، یعنی صحیح اور غلط کے درمیان فرق کرنے کی عمر۔ اس عمر کو پہنچتے ہی شرعی احکام کی ادائیگی کا مطالبہ شروع ہو جاتا ہے۔ یاد رہے سن تمیز (شعور) کی حالت میں یہ اہلیت اداء ناقص ہو گی اور بلوغت اور عقل کی حالت میں اہلیت اداء کامل تصور ہو گی۔

اہلیت کے اعتبار سے انسان کی زندگی کے چار ادوار

پہلا دور: جنین کا دور: (ماں کے پیٹ کی زندگی) اس دور میں اہلیت ادا کا کوئی تصور نہیں اور اہلیت وجوب ناقصہ ثابت ہو گی۔ یعنی جنین کیلئے حقوق ثابت ہونگے (وراثت وصیت اور وقف کا استحقاق) اس پر کوئی حق ثابت نہ ہو گا کیونکہ اس کا وجود ابھی مستقل حیثیت تک نہیں پہنچا۔

دوسرا دور: پیدا ہونے سے لیکر ممیز ہونے تک: اس دور میں اہلیت وجوب کامل ہوتی ہے یعنی اس کے لئے اور اس پر شرعی حقوق ثابت ہونگے اور اہلیت اداء نہیں ہوتی کیونکہ اہلیت اداء کی اساس تمیز ہے ہاں البتہ وہ حقوق جن میں نیابت ہو سکتی ہے انہیں اس کا ولی ادا کرے گا جیسے تلف شدہ چیزوں کی ضمان اور مزدور کی مزدوری وغیرہ۔ اور جن میں نیابت نہیں ہو سکتی وہ چیزیں بچے پر واجب نہ ہونگی جیسے نماز اور قصاص وغیرہ۔

تیسرا دور: تمیز سے لے کر سن بلوغ تک: اس دور میں اہلیت وجوب کامل ہوتی ہے اور اہلیت اداء ناقص کیونکہ اس کی عقل ناقص ہے عبادات میں ادائیگی تو صحیح ہو گی لیکن واجب نہ ہو گی۔

چوتھا دور: سن بلوغ سے لے کر فوت ہونے تک: اس دور میں اہلیت وجوب کامل ہوتی ہے اور اہلیت اداء بھی کامل ہوتی ہے کیونکہ اہلیت وجوب کی اساس زندگی ہے اور اہلیت اداء کی اساس تمیز مع العقل ہے۔

خلاصہ کلام: 1۔ دور جنین میں اہلیت وجوب ناقص ہوتی ہے کیونکہ زندگی ناقص ہے۔

2۔ پھر باقی تینوں ادوار میں اہلیت وجوب کامل ہوتی ہے کیونکہ زندگی بھی کامل ہوتی ہے

3۔ پہلے اور دوسرے دور میں اہلیت اداء نہیں ہوتی کیونکہ تمیز اور عقل مفقود ہے تیسرے دور میں اہلیت اداء ناقص ہوتی ہے کیونکہ تمیز تو ہوتی ہے لیکن عقل ناقص ہوتی ہے

4۔ چوتھے دور میں اہلیت وجوب کامل ہوتی ہے کیونکہ تمیز اور عقل کامل ہے۔

عوارض اہلیت کا بیان

عوارض سے مراد وہ چیزیں جو اہلیت پر داخل ہوتی ہیں اور اسے یا تو متاثر کر دیتی ہیں، یعنی کبھی تو اسے ناقص کر دیتی ہیں اور کبھی اسے مکمل طور پر ختم کر دیتی ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں: عوارض سماویہ، عوارض مکتسبہ۔

1۔ عوارض سماویہ: وہ عوارض جو قدرتی طور پر لاحق ہوتے ہیں ان کے آنے میں انسان کا اپنا کوئی دخل نہیں ہوتا، یہ چھ ہیں: جنون، عتہ، نسیان، نوم و اغماء، مرض اور موت۔

(1) **مجنون کی تکلیف اور اس کے احکام :** **جنون کی تعریف:** ایسی حالت کہ جب انسان کے اقوال و افعال عقل کی بناء پر جاری نہ ہوتے ہوں۔ اگر یہ حالت قبل از بلوغت سے ہے تو یہ جنون اصلی ہے، اور اگر بعد از بلوغت کے ہو تو اس کو جنون طارئ کہتے ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک ممتد اور غیر ممتد بھی ہوتا ہے یعنی طویل اور مختصر۔

جنون کے احکام : اس حالت میں اہلیت وجوب تو متاثر نہیں ہوگی کیونکہ اس کا دار و مدار زندگی پر ہے۔ جبکہ اہلیت اداء ختم ہو جاتی ہے، کیونکہ اس کی بنیاد عقل و شعور ہے۔

لہذا اگر اس حالت میں نکاح و طلاق کا معاملہ کرتا ہے تو کالعدم تصور ہوگا۔ اگر جنونیت کی حالت تادیر رہتی ہے تو عبادات ساقط ہیں اگر تادیر نہیں وقتی ہے تو قضائی دے گا۔ اگر کسی کا نقصان کر دے تو اس کے مال سے اس کا ولی اداء کرے گا۔

تنبیہ: مجنون مجور لذاتہ ہے یعنی بغیر قاضی کے فیصلہ اس پر پابندی ہے کہ وہ بیع و شراء نہیں کر سکتا اگر کرے تو وہ کالعدم ہو گی۔

(2)العَتَہ: انسان کی عقل میں خلل کا واقع ہونا مگر مجنون کی بنسبت کم ہو۔

عتہ کے احکام: * اگر عقل شعور کا سرے سے فقدان ہو جائے تو اس کا حکم مجنون والا ہی ہے، * اور اگر تھوڑی سمجھ بوجھ ہے لیکن عاقل سے کم درجہ کی تو عتہ کو اس بچہ کی اہلیت والا تصور کیا جائے گا جس بچے کو شعور ہو۔ تو اس پر عبادات فرض نہیں ہونگی. * لیکن اگر اداء کرے گا تو صحیح تصور ہونگی * وہ بدنی سزا سے بری ہو گا۔ * مالی معاملات میں حقوق و واجبات اس کے ولی کے ذمہ ہونگے۔ * وہ تصرفات جو اس کے حق میں ہونگے وہ صحیح تصور ہونگے، مثلا: ہبہ، صدقہ اور وصیت وغیرہ کا قبول کرنا جو اس کے حق میں ہو- * وہ تصرفات جو اس کے حق میں نقصان دہ ہوں تو وہ کالعدم ہونگے۔ * اگر نفع و نقصان کے مابین ہو تو اس کے ولی کا فیصلہ حتمی تصور کیا جائے گا۔

(3)نسیان (بھولنا): ایسا عارضہ جس کی وجہ سے انسان اپنی ذمہ داری کو بھول جائے۔

احکام: اس کے پاس زندگی بھی ہے اور عقل و شعور بھی، لہٰذا یہ اہلیت وجوب اور اداء دونوں کا حامل ہے۔ * یہ اگر کسی کا نقصان کر دے تو اسے پورا کرے گا، * حقوق اللہ یعنی عبادات کی ادائیگی بھی لازم ہے، ہاں مگر! نسیان کو عذر تصور کرتے ہوئے گنہگار نہیں ٹھہرے گا۔ جیسا کہ حدیث "ان اللہ وضع عن امتی۔۔۔۔۔الخ" دلالت کرتی ہے * بعض دفعہ عبادات میں نسیان کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا، مثلا روزے کی حالت میں بھول کر کچھ کھا، پی لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(4)النوم والاغماء (نیند اور مدہوشی) : احکام: * اس کے حق میں اہلیت اداء تو نہیں کیونکہ عقل و شعور نہیں ہے ، جبکہ زندگی ہونے کی وجہ سے اہلیت وجوب موجود ہے۔

* اس کے اقوال پر کوئی اثر مرتب نہ ہو گا۔

* افعال پر بدنی مؤاخذہ تو نہ ہو گا مگر! مالی نقصان کی ادائیگی کرے گا۔ مثلا کوئی سویا ہوا شخص کسی پر گر پڑے اور دوسرا شخص فوت ہو جائے تو دیت دے گا۔ * باقی عبادات کی ادائیگی قضاء کی صورت میں کرے گا۔ اسلئے وجوب ساقط نہ ہو گا۔

مغمیٰ علیہ (غشی کی حالت والا): اگر غشی وقتی ہے، تو اس کے احکام سوئے ہوئے شخص والے ہیں اور اگر غشی کا دورانیہ لمبا ہے تو اس کا حکم مجنون والا ہے۔ یعنی پہلی حالت میں قضاء لازم ہو گی اور دوسری حالت میں وجوب اور قضاء ساقط ہو جائے گی۔

(5) المرض (بیماری): یہاں مرض سے مراد جنون اور غشی کے علاوہ جو مرض ہیں وہ مراد ہیں۔

☆ اس عارضہ میں اہلیت وجوب اور اہلیت اداء دونوں موجود رہتی ہیں کیونکہ مریض میں زندگی اور عقل و تمیز موجود ہے البتہ بعض حالات میں بیماری بعض احکام میں اثر انداز ہوتی ہے جیسے : اگر انسان مقروض ہے یا اس کے ورثاء موجود ہیں تو مرض الموت میں ایسا تصرف جس سے ورثاء یا قرض خواہ کو ضرر پہنچتا ہو (جیسے وہ اپنا مال کسی کو ھبہ کر دے یا مہنگا مال کم قیمت پر فروخت کر دے) تو اس تصرف پر پابندی لگا دی جائیگی یا وہ تصرف نافذ نہیں سمجھا جائیگا، لیکن یاد رہے اس بیماری کو مرض الموت تب کہا جائیگا جب وہ اس مرض سے فوت ہو جائے لہذا فوت ہونے کے بعد ہی اس کے سابقہ تصرف کو کالعدم قرار دیا جائیگا، ورنہ اس کے تمام تصرفات نافذ سمجھے جائینگے۔

مریض کے نکاح کا حکم: اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے دو قول ہیں:

قول اول: مرض الموت میں مریض کا نکاح صحیح ہے اگر وہ مر جائے تو بیوی وراثت کی حقدار ہو گی اور بعض کے نزدیک مہر مثل اور بعض کے نزدیک مہر مسمی- اگر وہ ثلث سے زائد نہ ہو- واجب ہو گا {جمہور علماء}

دلیل: کیونکہ مریض کے پاس مکمل اہلیت موجود ہے۔

قول ثانی: نکاح تو صحیح ہو گا لیکن وہ دونوں ایک دوسرے کے وارث نہ ہونگے {امام اوزاعی رحمہ اللہ}

دلیل: مریض متہم ہے کہ وہ ورثاء کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے.

قول ثالث: نکاح فاسد ہے اور دونوں کے درمیان وراثت بھی نہ ہو گی اگر دخول ہو چکا ہے تو مہر مثل دیا جائیگا اگر وہ ثلث سے کم ہے {امام مالک رحمہ اللہ}

دلیل: مریض متہم ہے کہ وہ ورثاء کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے.

راجح قول: پہلا قول راجح ہے کہ نکاح صحیح ہو گا اور وہ ایکدوسرے کے وارث ہونگے اور مہر مثل واجب ہو گا اگر مہر مثل سے کم ہے کیونکہ نکاح انسان کی ضروریات میں سے ہے ہاں البتہ اگر ثابت ہو جائے کہ مریض ورثاء کو نکاح کے ذریعے نقصان پہنچانا چاہتا ہے تو اس حالت میں ممکن ہے کہ ان دونوں کو آپس میں وارث نہ بنایا جائے.

مریض کی طلاق کا حکم:

اگر مریض مرض الموت اپنی مدخولہ بیوی کو طلاق بائنہ دیتا ہے تو بالاتفاق طلاق واقع ہو جائیگی، لیکن کیا وہ عورت اس کی وارث ہو گی یا نہیں اس میں فقہاء کرام کے دو قول ہیں:

قول اول: وہ عورت اپنے شوہر کی وارث ہو گی تا کہ خاوند کے برے ارادے (حرمان میراث) کا رد کیا جاسکے {الجمہور}

قول ثانی: وارث نہ ہو گی کیونکہ طلاق بائنہ میراث کے معاملہ کو ختم کر دیتی ہے اور ارادہ باطنی چیز ہے جس کے اوپر احکام کی بناء نہیں ہوتی. {شافعیہ، واہل الظاہر} پہلا قول راجح ہے، لیکن:

تنبیہ: جمہور کے مابین آپس میں اختلاف ہے کہ وہ عورت کب تک وارث ہو گی:

1. الحنفیہ: جب تک عورت عدت کے ایام ہے تب تک وارث ہو گی عدت کے بعد وارث نہ ہو گی.

2. الحنابلہ: جب تک وہ آگے شادی نہ کرلے اگر وہ شادی کرلے تو وارث نہ ہو گی.

3. المالکیہ: وہ مطلقا وارث ہو گی یعنی عدت ختم ہوئی ہے یا نہیں، شادی کی ہے یا نہیں.

تنبیہ: اگر طلاق بائنہ قبل الدخول ہے تو امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک وارث ہو گی جبکہ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک وارث نہ ہو گی.

(6) الموت: یہ وہ عارضہ ہے جس کے ساتھ اہلیت اداء منعدم ہو جاتی ہے اور تمام شرعی تکلیفات ختم ہو جاتی ہیں.

زکاۃ کا مسئلہ: اگر انسان فوت ہو جائے اور اس پر زکاۃ واجب ہو تو کیا مرنے کے بعد ادا کی جائے؟ اس میں دو قول ہیں
:

پہلا قول: میت سے زکاۃ ساقط ہو جائے گی اور ترکہ سے ادا نہ کی جائیگی. کیونکہ مقصود مکلف کا فعل ہے اور وہ موت کے ساتھ ختم ہو چکا ہے. {فقہاء حنفیہ}

دوسرا قول: زکاۃ ترکہ سے ادا کی جائیگی کیونکہ مقصود مال کی ادائیگی ہے اس میں نیابت ممکن ہے {جمہور العلماء}

اہلیت وجوب: اس کا تعلق ذمہ کے ساتھ ہوتا ہے **سوال:** کیا ذمہ موت کے بعد فوراختم ہو جاتا ہے یا کچھ مدت کے بعد؟

اس میں تین قول ہیں:

پہلا قول: موت کے فورا بعد ختم ہو جاتا ہے لہذا اہلیت اداء و وجوب ختم ہو جاتی ہیں اور دیون بھی ختم ہو جاتے ہیں {فقہاء حنابلہ}

دوسرا قول: ذمہ ختم نہیں ہوتا لیکن کمزور اور خراب ہو جاتا ہے اگر مال ہو یا زندگی میں کفیل ہو تو دیون کی ادائیگی کی جائیگی.

تیسرا قول: ذمہ ختم نہیں ہوتا بلکہ باقی رہتا ہے چاہے کفیل نہ بھی ہو بلکہ موت کے بعد بھی کفالت ممکن ہے چناچہ اسکے دیون کوئی دوسرا ادا کر سکتا ہے {یہی راجح قول ہے}

عوارض مکتسبہ کا بیان

تعریف: وہ عوارض جو انسان کے اپنے کسب واختیار سے ہوتے ہیں، اس کی دو قسمیں ہیں:

1. وہ عوارض جو انسان کی اپنی جانب سے پیدا ہوتے ہیں جیسے جہل، سفہ اور سکر وغیرہ ہیں
2. وہ عوارض جو انسان پر کسی دوسرے کی جانب سے وارد ہوتے ہیں جیسے اکراہ ہے.

1. جہل: یہ اہلیت اداء اور اہلیت وجوب کے منافی نہیں ہے لیکن بعض احوال میں اسے عذر مان لیا جاتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں:

1.1 الجهل في دار الإسلام: دار اسلام میں جہالت عذر نہیں بن سکتا ہے کیونکہ یہاں رہنے والوں کیلئے علم کا حصول فرض ہے جیسے نماز روزہ زکاۃ ہے اگر کوئی شراب پیئے اور کہے کہ میں جاہل تھا اس کا عذر قبول نہ ہو گا بلکہ حد لگے گی.

#البتہ اگر کوئی کسی عورت سے نکاح کرے اور اسے معلوم نہ ہو کہ یہ اس کی رضاعی بہن ہے تو عذ جہل مقبول ہو گا.

2- الجهل في دار الحرب: یہاں عذر جہل مقبول ہو گا کیونکہ یہاں اسلامی قوانین کا جاننا فرض نہیں ہے

مثال: اگر کوئی نیا مسلمان نماز کی فرضیت سے جاہل ہے اور کئی دن نماز نہ پڑھی تو علم ہونے کے بعد قضاء لازم نہ ہو گی.

مثال: اسی طرح اگر شراب کی حرمت کا علم نہ ہو تو حد لازم نہ ہو گی.

2- **الخطأ:** انسان سے ایسے قول یا فعل کا صادر ہونا جو اس کے اس ارادے کے مخالف ہو جو اس نے کیا تھا.

یہ عارضہ دونوں اہلیتوں کے منافی نہیں ہے. کیونکہ عقل اور زندگی دونوں موجود ہیں.

حقوق اللہ میں اثر: اللہ کے حقوق کے ساقط ہونے میں خطا عذر شمار ہوتی ہے جیسے مفتی کا خطا کرنا، قبلہ کی تلاش میں غلطی کا ہو جانا، اور اسی طرح حدود کے ساقط کرنے میں بھی خطا کو شبہ شمار کیا جاتا ہے.

حقوق العباد میں اثر: حقوق العباد میں خطا کی وجہ سے درجہ ذیل اثرات پائے جاتے ہیں

1. اگر حق عقوبت یعنی سزا ہے تو خطا کی وجہ سے واجب نہ ہو گی جیسے قتل خطا میں قصاص کی جگہ پر دیت واجب ہوتی ہے.
2. اگر مالی معاملات ہیں جیسے کسے کے مال کو ضائع کر دیا ہے تو خطا عذر نہ ہو گی بلکہ ضمان واجب ہو گی.
3. اگر معاملات بیع اور طلاق ہیں تو اس میں فقہاء کے دو قول ہیں

پہلا قول: طلاق اور بیع دونوں واقع ہونگے لیکن فاسد کیونکہ خطا کی وجہ سے رضا مندی موجود نہیں {فقہائے حنفیہ}

دوسرا قول: طلاق اور بیع واقع نہ ہو گی بلکہ تمام قولی تصرفات واقع نہ ہونگے. {جمہور علماء}

دلیل: قولی تصرفات تب صحیح شمار ہوتے ہیں جب متکلم کا قصد صحیح ہو جبکہ مخطی کا کوئی قصد نہیں ہوتا جیسے نائم کا معاملہ ہے اور اس بات کی تائید حدیث "رفع عن أمتی الخطأ" سے بھی ہوتی ہے.

راجح قول: جمہور کا قول راجح ہے بشرطیکہ خطا ثابت ہو. واللہ تعالی أعلم.

3- **الھزل :** کسی بھی چیز یا بات سے وہ معنی مراد لیا جائے جس کیلئے اسے وضع نہیں کیا گیا

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی کلام حقیقی یا مجازی معنی کیلئے ہی وضع کیا جاتا ہے جب وہ اسے کسی اور معنی کیلئے استعمال کرتا ہے تو اسے ھزل کہتے ہیں، ھازل اپنے اختیار سے بات کرتا ہے یا اپنا معاملہ طے کرتا ہے لیکن اس پر مرتب ہونے والے اثر کو نہیں چاہتا.

#ھزل دونوں اہلیتوں کے منافی نہیں ہے.

اقسام تصرفات الھازل: اس کے تصرفات کی تین قسمیں ہیں:

1. **الإخبارات:** اس سے مراد اس کے اقرارات ہیں اگر وہ بیع، نکاح یا طلاق کا اقرار کرتا ہے تو ھزل اسے باطل کردے گا کیونکہ ھزل میں واضح دلیل موجود ہے کہ اس نے جو اقرار کیا ہے وہ کذب ہے.
2. **الاعتقادات:** اگر ھازل ھزل کرتے ہوئے کسی کفریہ عقیدے سے متعلق بات کرتا ہے تو ھزل کا کوئی اثر نہ ہوگا بلکہ وہ کفریہ کلمہ کہنے کی وجہ سے کافر اور مرتد شمار ہوگا. کیونکہ ھزل اسلام میں جائز نہیں. اللہ تعالی کا فرمان ہے:

((ولئن سألتهم ليقولن إنما كنانخوض ونلعب قل أبالله وآياته ورسوله كنتم تستهزءون لا تعتذروا قد كفرتم بعد إيمانكم))

3. **الإنشاءات:** یعنی ایسے اسباب کو اختیار کرنا جن پر شرعی احکام مرتب ہوتے ہوں اس کی دو قسمیں ہیں:

الأول: وہ سبب جس میں ھزل کوئی اثر نہیں کرتا بلکہ وہ مسبب واقع ہو جاتا ہے جیسے نکاح طلاق اور رجعت ہے، حدیث میں ہے: " ثلاث جدهن جد وهزلهن جد ". تین چیزیں ایسی ہیں جن کی سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے او رمزاق بھی سنجیدگی.

الثاني: وہ اسباب جن میں ھزل اثر انداز ہوتا ہے وہ چیز یا تو باطل ہو جائے گی یا فاسد جیسے بیع، اجارہ اور باقی تمام تصرفات جن میں فسخ کا احتمال ہوتا ہے. اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے دو قول ہیں:

پہلا قول: ھزل ان تصرفات کو باطل کردے گا دلیل: حدیث " ثلاث جدهن جد وهزلهن جد" اس کا معنی یہ ہے کہ ان تین چیزوں کے علاوہ جتنی بھی چیزیں ہیں ان کا ھزل سنجیدگی کا حکم نہیں رکھتا.

دوسرا قول: بیع اور اجارہ وغیرہ درست قرار پائیں گے. دلیل: نکاح وطلاق وغیرہ پر قیاس کرتے ہوئے.

الراجح: پہلا قول راجح ہے کیونکہ ھزل اللہ کے ساتھ اور انسان کے ساتھ دونوں میں فرق ہے اللہ کے معاملہ میں ھزل اثر انداز نہیں بخلاف انسان کے معاملہ کے اس میں اثر انداز ہو گا یعنی اسے باطل کر دے گا. واللہ تعالی أعلم.

4. السفہ: – بے وقوفی – : لغوی معنی : ہلکا پن، اصطلاحی تعریف: مالی معاملات میں ایسا تصرف کرنا جو شرع اور عقل کے خلاق ہو باوجودیکہ عقل موجود ہو.

یہ عارضہ بھی دونوں اہلیتوں کے منافی نہیں ہے، البتہ بعض احکام میں اثر انداز ضرور ہوتا ہے. اس میں دو مسئلے ہیں

المسألة الأولى: دفع المال لمن بلغ سفيها: یعنی اگر کوئی بچہ بلوغت کو پہنچا تو تب بھی سفیہ ہی تھا تو کیا اسے مال دیا جائے.

پہلا قول: اسے مال نہ دیا جائے {جمہور} **دوسرا قول:** دیا جائے گا. {الظاہریۃ}

دلیل الظاہریۃ: رشد کا معنی بلوغ مع العقل ہے اور سفہ عدم عقل ہے لہذا بلوغ کو عقل کے قائمقام سمجھا جائیگا.

الراجح: جمہور کا قول راجح ہے کیونکہ ارشاد باری تعالی ہے: ((فإن آنستم منهم رشدا فادفعوا إليهم أموالهم)) رشد عقل اور بلوغ کا نام ہے اور سفہ کی حالت میں رشد نہیں ہوتا.

رشد سے کیا مراد ہے: اس میں دو قول ہیں:

پہلا قول: حقیقت رشد یعنی عقل مع البلوغ مراد ہے چاہے عمر 25 برس سے زیادہ ہو جائے. {الجمہور}

دوسرا قول: رشد کا مظنہ مراد ہے یعنی رشد کے پائے جانے کی عمر، جب وہ 25 برس کا ہو جائے تو یہ رشد کا مظنہ ہے لہذا 25 برس کی عمر مال اس کے سپرد کر دیا جائے گا {امام أبو حنیفہ رحمہ اللہ}، پہلا قول یعنی جمہور کا قول راجح ہے.

المسألة الثانية : الحجر على السفيه : سفیہ پر پابندی لگانے کا حکم

پہلا قول: اس پر حجر یعنی پابندی لگائے جائیگی، {الجمہور و صاحبا أبي حنیفۃ}

دلیل: 1. ((فإن كان الذي عليه الحق سفيها أو ضعيفا أو لا يستطيع أن يمل فليملل وليه بالعدل))

وجہ دلالت: آیت دلالت کررہی ہے کہ سفیہ پر ولایت موجود ہیں چاہے وہ 25 برس کا ہی ہو جائے.

2- حضرت علی رضي الله عنه نے خلیفہ عثمان رضي الله عنه سے طلب کیا کہ وہ عبد اللہ بن جعفر پر پابندی لگادیں کیونکہ وہ مال میں تبذیر کرتے تھے اگر یہ پابندی ممنوع ہوتی تو وہ کبھی بھی اس کا مطالبہ نہ کرتے.

دوسرا قول: اس پر پابندی نہیں لگے گی. {امام أبو حنیفہ اور ظاہریہ}

دلیل: سفیہ شرعی احکام میں مخاطب ہے کیونکہ اہلیت یعنی عقل مع البلوغ موجود ہے اور سفہ کسی نقص کا سبب نہیں ہے. اسی بنا پر اس کے قولی تصرفات کا اعتبار ہوتا ہے جیسے نکاح وغیرہ ہیں، اسی طرح اسے دوسروں کے دیون کی بنا پر قید اور سزا کا سامنا بھی کرتا ہے. اور اس کے اقرارات پر مؤاخذہ بھی ہوتا ہے اگر اس پر حجر- پابندی- جائز ہوتی تو اس کے اقرارات پر پابندی ہوتی کیونکہ نفس کا ضرر مال کے ضرر سے زیاد ہے .

الراجح: پہلا قول راجح ہے کیونکہ نصوص شریعت اسی کی تائید کرتی ہیں اور اس میں اس کے مال کی حفاظت ہے اور لوگوں کے بوجھ کو ہلکا کرنا ہے کیونکہ اگر پابندی نہ لگی تو وہ لوگوں سے مانگتا پھرے گا.

(5) سکر (نشہ): اس کا معنی ہے شراب وغیرہ کے پینے سے عقل کا ماؤف ہو جانا۔ یعنی وہ جسے نشہ کی حالت میں کیے افعال اور کہے ہوئے اقوال کا علم نہ ہو۔

سکران کے احکام : چونکہ سکران عقل وشعور سے عاری ہوتا ہے تو اس پر تکلیف نہیں ہونی چاہیے، مگر علماء نے اس کی دو قسمیں بنا کر تفصیل بیان کی ہے:

1. جائز طریقہ سے نشہ کا ہونا؛ مثلا : مجبوری کی وجہ سے، یا لا علمی کی وجہ سے ، یا بطور دواء ،نشہ استعمال کیا تو اس کا حکم "مغمیٰ علیہ / بے ہوشی" والے اور سوئے ہوئے شخص کا ہے۔

#وہ اللہ کے حقوق میں مکلف نہ ہو گا.

#افاقہ کے بعد اگر قضاء میں حرج ہے تو لازم نہ ہو گی وگرنہ قضاء لازم ہو گی (یعنی اگر قضاء مختصر اور تھوڑی ہے)

#تصرفات قولیہ بے اثر ہونگے یعنی ان کا کوئی اعتبار نہ ہو گا.

#تصرفات فعلیہ میں جرائم کی بدنی سزا نہ ہو گی، اگر مال ضائع کیا ہے تو تو اسے مالی سزا دی جائیگی

2. ناجائز اور حرام طریقے سے نشہ کرنا: یہاں علماء کرام کی آراء مختلف ہیں:

1. **تصرفات قولیہ**: اس میں دو قول ہیں:

پہلا قول: اس کے اقوال کا کوئی اعتبار نہیں، اس کی خرید و فروخت اور دی ہوئی طلاق وغیرہ واقع نہیں ہوں گی۔{اہل ظاہر، عثمان البتی}

دوسرا قول: اس کے اقوال قابل اعتبار ہونگے اور ان کے اثرات مرتب ہونگے۔ طلاق بھی واقع ہو گی اور خرید و فروخت بھی صحیح تصور ہو گی۔ {جمہور}

2- **تصرفات فعلیہ**: اس میں تو اتفاق ہے کہ حقوق العباد کے متعلقہ افعال پر مؤاخذہ ہو گا، اگر کسی کا مال ضائع کر دیا تو اداء کریگا۔

جسمانی سزا کے بارے میں دو قول ہیں:

(1) اگر قتل کیا تو قتل کیا جائے گا، اور اگر حد لگنے والا کام کیا تو حد لگے گی۔{جمہور}

(2) جسمانی سزا نہیں ہو گی اور شراب پینے کی حد کے علاوہ دوسری کوئی حد نہیں لگے گی{اہل ظاہر، عثمان البتی}

راجح: تصرفات قولیہ میں اہل ظاہر کا موقف راجح کیونکہ اقوال تب ہی معتبر ہونگے جب شعور ہو گا۔ اور تصرفات فعلیہ (جرائم) میں جمہور کا موقف راجح ہے، کیوں کہ اگر سزا نہ دی گئی تو فساد کبیر لازم آئے گا اور بلا وجہ معصوم جانوں کا ضیاع ہو سکتا ہے۔

(6) مکرہ (مجبور) کا مکلف ہونا: اِکراہ کی تعریف: کسی انسان کو ایسے قول و فعل پر مجبور کرنا جسے وہ کرنا نہ چاہتا ہو اور اگر وہ بااختیار ہو کبھی بھی اِس قول و فعل کو گوارہ نہ کرے۔

شروط مکرہ: 1- مجبور کرنے والا جس چیز کی دھمکی دے رہا ہے اسے کرنے پر قادر ہو.

2- مکرَہ جسے مجبور کیا گیا ہے اسے مکرِہ کی دھمکی کا ڈر ہو

3- جس چیز کی دھمکی دی گئی ہے وہ تلف جان، تلف عضو، قید یا بہت زیادہ مالی نقصان کی دھمکی ہو.

اکراہ کی اقسام: دو قسمیں ہیں (1) **اکراہِ تام:** جس میں جان کے ضیاع، یا جسم کے بعض حصہ کی تلفی، یا سارے مال کے ضیاع یا کسی قریبی کے قتل کی دھمکی دی گئی ہو.

(2)اکراہ غیر تام: جس میں صرف قید و بند یا جسمانی سزا کی دھمکی دی گئی ہو۔

سوال: کیا اکراہ تکلیف کے منافی ہے یا نہیں؟۔جواب: نہیں! اہلیت وجوب اور اداء دونوں میں کوئی فرق نہیں پڑے گا، کیونکہ عقل اور زندگی موجود ہیں.

احکام: یہاں بھی تفصیل ہے؛ **احناف:** مکرہ کے تمام اقرارات کالعدم ہیں۔ نکاح و طلاق اور رجوع کے علاوہ قولی تصرفات قابل اعتبار ہوں گے۔اور نکاح وطلاق کے متعلقہ قولی تصرفات فاسد ہوں گے نہ کہ باطل۔

جمہور: مکرہ کے تمام اقوال کالعدم ہیں، نا قابل اعتبار ہیں۔ نکاح وطلاق اور بیع و شراء منعقد نہیں ہونگے.

جمہور کا قول ہی راجح ہے کیونکہ اکراہ تام والی صورت میں تو اللہ تعالیٰ نے کفریہ کلمات سے بھی درگزر کی۔ (الا من أكره وقلبه مطمئن بالايمان)

مکرہ کے فعلی تصرفات: اگر اکراہ غیر تام ہے تو اہلیت وجوب و اداء دونوں تام ہیں۔ جبکہ اکراہ تام میں اگر مباح صورتوں میں جبر کیا جاتا ہے تو کوئی گناہ نہیں، جیسا کہ مجبوری کے وقت شراب اور مردار کا کھانا مباح ہے.

* اسی طرح اگر رخصت والے امور میں اکراہ ہے تو بھی کوئی گناہ نہیں جیسا کہ جان بچانے کیلیے کلمہ کفر کہنے کی رخصت ہے۔

* اگر اکراہ حرام کردہ چیزوں میں ہے جیسا کہ قتل، زنا اور چوری وغیرہ جو کسی بھی صورت جائز نہیں ہیں:

احناف: ان کا مرتکب گنہگار ہو گا، لیکن حد شبہ کی بناء پر ساقط ہو گی، ویسے بھی جرم کی نسبت مکرَہ کی طرف کرنا ممکن نہیں ہے۔

جمہور کے نزدیک: ان چیزوں کا ارتکاب ناجائز ہے۔ قتل کی صورت میں مجبور ہونے والے اور مجبور کرنے والے دونوں سے قصاص لیا جائے گا۔ اسی طرح مجبور کیے جانے والے زانی کو حد بھی لگے گی۔ کیونکہ اس نے حرام کا ارتکاب کیا۔

راجح قول: قتل وزنی کے معاملہ میں جمہور کا قول راجح ہے واللہ تعالیٰ اعلم.

تنبیہ: یہ احکام اِکراہ ملجیء میں ہیں رہا اِکراہ غیر ملجیء تو اس میں تمام احکامات میں نسبت فاعل کی طرف ہی ہو گی.

مصادر شریعت یا ادلۃ اجمالیہ

تعریف الأدلہ: لغۃ ادلہ دلیل کی جمع ہے وہ چیز جس میں کسی چیز کی طرف ارشاد اور راھنمائی موجود ہو

اصطلاحاً: "ما يمكن التوصل بصحيح النظر فيه إلى مطلوب خبرى أى شرعى"

"جس میں صحیح غور فکر کے ساتھ حکم شرعی تک پہنچا جائے."

ادلہ کی تقسیمات: اس کی دو اعتبار سے تقسیم کی جاتی ہے:

پہلی تقسیم: ادلہ کے متفق علیہ اور مختلف فیہ ہونے کے اعتبار سے اس کی تین قسمیں ہیں:

1. متفق علیہ ادلہ، وہ ادلہ جن پر مسلمانوں کا عموما اتفاق ہے جیسے قرآن مجید اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم.
2. متفق علیہ ادلہ جمہور علماء کے نزدیک، جیسے قرآن مجید، حدیث نبوی، اجماع اور قیاس.
3. مختلف فیہ ادلہ، جیسے عرف، استصحاب، استحسان، مصالح مرسلہ، شرع من قبلنا اور قول صحابی ہیں.

دوسری تقسیم: نقل اور عقل کے اعتبار سے ادلہ کی دو قسمیں ہیں

1. ادلہ نقلیہ: جیسے قرآن مجید، حدیث نبوی، اجماع، شرع من قبلنا اور قول صحابی.
2. ادلہ عقلیہ: جیسے قیاس استحسان، مصالح مرسلہ اور استصحاب وغیرہ ہیں

ترتیب ادلہ: جمہور علماء کے نزدیک، سب سے پہلے قرآن پھر سنت اور پھر اجماع اور پھر قیاس ہے، اس ترتیب کی دلیل حدیث معاذ رضی اللہ عنہ اگرچہ اس حدیث کی سند میں کلام ہے لیکن اس کا معنی کئی صحابہ سے ثابت ہے.

پہلا مصدر شریعت: القرآن الکریم: سب سے اول اور اساسی متفق علیہ دلیل "قرآن" ہے۔

قرآن کی تعریف: "هوالكتاب المنزل على محمد صلى الله عليه وسلم المكتوب في المصاحف المنقول إلينا متواترا بلا شبهة".

اس سے مراد مصاحف میں لکھی وہ کتاب ہے جو من جانب اللہ بواسطہ جبریل، محمد ﷺ پر نازل ہوئی اور ہم تک تواتر کے ساتھ بلاشبہ پہنچی ہے۔

خواص القرآن: قرآن پاک کی بہت ساری خاصیات ہیں، ان میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں؛

1- یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف سے اللہ کے رسول ﷺ پر نازل کیا گیا ہے۔

2- قرآن پاک الفاظ و معانی کا مجموعہ ہے یعنی دونوں من جانب اللہ ہیں۔

3- ہم تک اس کا پہنچنا تواتر کے ساتھ ہے۔

4- قرآن پاک کمی وزیادتی سے بالکل محفوظ ہے۔

5- یہ معجزہ ہے، بے مثل وبے مثال ہیں، انسان کیلیے اس جیسالانا ناممکن ہے۔

قرآن پاک کے معجزہ ہونے کی وجوہ: چند ایک مندرجہ ذیل ہیں؛

1- قرآن کی فصاحت وبلاغت، جو شروع درمیان اور آخر سب جگہ پر یکساں طور پر موجود ہے باوجودیکہ وہ 23 سال کے عرصہ میں مختلف اوقات اور مختلف مقامات اور مختلف حالات میں نازل ہوا۔

2- واقعات واخبار کی پیشگی خبر، جو مستقبل سے تعلق رکھتی ہیں، جیسا کہ روم کی فتح کی خبر۔

3- سابقہ معلوم ونامعلوم قوموں وامتوں کے واقعات وتاریخ کی صحیح صحیح خبر۔

4- کائنات کی بعض حقائق بیان کیے، جسے جدید سائنس نے بھی مان لیا ہے۔(كانتا رتقا ففتقناها)

احکام القرآن: قرآن کے احکام تین قسم پر ہیں:

1. عقدی احکام: یعنی ایمان باللہ ایمان بالرسل ایمان بالملائکہ وغیرہ.
2. وہ احکام جو تہذیب نفس یعنی اخلاقیات سے متعلق ہیں.
3. عملی احکام: جن کا تعلق افعال واقوال مکلفین سے ہیں یہی احکام فقہ سے مقصود ہیں اور یہ عبادات اور معاملات پر مشتمل ہوتے ہیں

عبادات میں نماز روزہ حج زکاۃ وغیرہ کے مسائل ہوتے ہیں، جبکہ معاملات میں احکام الاسرۃ، نکاح طلاق وغیرہ، اور احکام مالیہ یعنی بیوع وغیرہ اور احکام قضاء یعنی قضاء وشھادات وغیرہ شامل ہوتے ہیں.

احکام کے بیان میں قرآن کا انداز: احکام کا بیان دو طرح کا ہے:

1. شریعت کے بنیادی قواعد اور مجمل احکام، جیسے شوری، عدل، جرم کے بقدر سزا، خیر پر تعاون اور شر پر عدم تعاون، عقود وعہود پر وفاء، اور ضرورتیں محظورات کو مباح کر دیتی ہیں وغیرہ قواعد شامل ہیں.

2. تفصیلی احکام: یہ بہت تھوڑے ہیں جیسے مواریث، حدود کی مقادیر، کیفیت طلاق اور کیفیت لعان وغیرہ ہیں

اسلوب القرآن في بيان الأحكام:

1. وجوب کیلئے صیغہ امر، کتب علیھم، اور اچھے عمل پر اچھی جزا کا تذکر کیا جاتا ہے

2. حرمت کیلئے صیغہ نہی، یا فعل پر وعید یا اس کے کرنے پر سزا کو مرتب کیا جاتا ہے.

3. اباحت کیلئے لفظ احلال، لا جناح، لیس علیہ حرج اور نفی اثم جیسے کلمات استعمال کیئے جاتے ہیں.

قرآن کی حجیت: دنیا جہاں کے تمام مسلمان قرآن کی حجیت پر متفق ہیں اور یہ کہ یہ شریعت کا اول مصدر بھی ہے۔

دلیل حجیت: "إنه من عند الله" لہٰذا جب ثابت ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے تو اس کی اتباع واجب اور حتمی ہے۔

قرآن پاک کی دلالت: قرآن پاک چونکہ ہم تک تواتر کے ساتھ پہنچا ہے تو یہ قطعی الثبوت ہے، جو علم یقینی کا فائدہ دیتا ہے۔ اور رہی بات اس کی دلالت کی تو بعض دفعہ اس کی دلالت قطعی ہوتی ہے اور بعض دفعہ ظنی ہوتی ہے۔

جب لفظ صرف ایک ہی معنی پر دلالت کرے نہ کہ ایک سے زائد پر، تو یہ قطعی الدلالت ہے، جیسا کہ "ولکم نصف ما ترک۔۔۔" اور "فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ"، یہاں "نصف، مائۃ وغیرہ یعنی ربع، ثلث وغیرہ قطعی الدلالہ ہیں، کیونکہ ان میں ایک سے زائد معنی نہیں پایا جارہا۔

جب لفظ ایک سے زائد معانی رکھے تو یہ ظنی الدلالت ہے، مثلا "ثلاثۃ قروء" یہاں لفظ "قروء" کے ایک سے زائد معانی ہیں، اور وہ "طھر اور حیض" ہیں۔

قراءت شاذہ: (1) قراءت متواتر کی ضد قراءت شاذہ ہے۔ یعنی قرآن پاک کے کسی حصہ کا غیر تواتر مثلا خبر مشہور یا خبر واحد کے ذریعہ پہنچنا۔

(2) دوسری تعریف: (1) ایسی قراءت جو عربی سے ہم آہنگ ہو (2) مصحف عثمانی سے ہم آہنگ ہو (3) سند صحیح ہو۔ تو اس کو قراءت صحیحہ کہیں گے۔ اگر ان میں سے کوئی چیز رہ جائے تو اسے قراءت شاذہ کہتے ہیں۔

قراءت شاذہ کی حجیت: (1) جب صحیح سند سے ثابت ہو تو احکام شرعیہ عملیہ کا استنباط کیا جا سکتا۔ {احناف، حنابلہ، اور ایک قول مالکیہ و شافعیہ سے بھی منقول ہے}

(2) جب قراءت شاذہ سے کوئی مستقل مسئلہ مستنبط نہ ہو رہا اور اس کی سند بھی درست ہو اور کسی دوسری صحیح نص کے مخالف بھی نہ ہو تو اسے بطور بیان لیا جا سکتا ہے، نا کہ بطور صریح نص، {شافعیہ}

(3) کسی بھی صورت اس سے حجت نہیں لی جائیگی {مالکیہ، اور ایک ایک قول حنبلیہ و شافعیہ کا بھی}

راجح: اسے سند بنایا جا سکتا ہے بشرطیکہ یہ صحیح ثابت ہو اور دوسری کسی صحیح نص کے مخالف نہ ہو۔

نسخ کا بیان:

لغوی معانی: (1) نقل کرنا، کاپی کرنا (2) ختم کرنا، زائل کر دینا۔ **اصطلاحی معنی:** "بعد میں آنے والی شرعی نص کے ذریعے پہلے سے موجود کسی شرعی نص کے حکم کا ختم کرنا"

بعد میں آنے والی نص "ناسخ"، سابقہ حکم جو ختم ہوا اس کو "منسوخ" اور اس طرح سے کسی حکم کا ختم ہو جانا "نسخ" کہلاتا ہے۔ مثلاً، قبلہ کی تبدیلی کا حکم۔

نسخ کی اقسام: (1) **نسخ صریح:** جس میں شارع واضح الفاظ میں نسخ کی طرف اشارہ کریں، مثلاً: قبروں کی زیارت کی ممانعت پھر اس کی اجازت دینا۔ فرمایا: "كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها.

(2) **نسخ ضمنی:** یہ نسخ واضح الفاظ میں تو نہیں ہوتا، بلکہ نص سے خود سمجھا جا رہا ہوتا ہے، مثلا" والذين يتوفون منكم و يذرون ازواجا۔۔۔ متاعا الى الحول"

جبکہ دوسری نص میں "والذين يتوفون منكم و يذرون ازواجا۔۔۔يتربصن بانفسهن اربعة اشهر و عشرا"۔

اب یہاں خود سمجھا جا سکتا ہے کہ پہلے ایک سال کا کہا اور پھر دوسری بعد میں آنے والی نص میں چار ماہ اور دس دن کی عدت کا کہا گیا۔

نسخ کا وقت: نسخ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہو سکتا ہے، **دلیل:** 1-کیونکہ نسخ صرف وحی سے ہے اور وہ آپ کی حیات میں ہی ممکن ہے 2- ناسخ کیلیے شرط ہے کہ وہ منسوخ کے برابر کی قوت میں ہو اور وحی کے برابر وحی ہی ہو سکتی ہے.

جن احکام میں نسخ ہو سکتا ہے: (1)احکام اصلیہ یعنی عقائد وایمانیات میں نسخ نہیں ہوتا(2)اخلاقیات وتحسینیات میں نسخ نہیں ہوتا(3)اخبار ووقائع خواہ ان کا تعلق ماضی، حال یا مستقبل سے ہی کیوں نہ، ان میں نسخ نہیں ہو گا۔

* صرف فرعی احکام جو تغیر وتبدل کو قبول کرتے ہیں ان میں نسخ ہوتا ہے.

نسخ کا قاعدہ کلیہ: ناسخ دلیل قوت میں کم از کم منسوخ کے برابر ہو، یا اس سے زیادہ قوی ہو، اور یہ کہ ناسخ دلیل منسوخ کے بعد آئے نہ کہ پہلے۔ **قاعدہ سے مستفاد نتائج:**

(1) قرآن کا قرآن سے نسخ جائز ہے۔ اس کی تین صورتیں ہیں۔

(1) **تلاوت وحکم دونوں کا منسوخ ہونا:** جیسا کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں؛ "كان فيما أَنْزَلَ اللهُ عز وجل مِن القرآن: (عشرُ رَضَعاتٍ يُحرِّمْنَ) ثم نُسخن بـ: (خمسٌ معلوماتٌ يُحرِّمنَ) فتوفي، النبي ﷺ وهُن مما يقرأُ مِن القُرآنِ " تو دس رضعات والی آیت کی تلاوت وحکم دونوں منسوخ ہو چکے ہیں. (مسلم)

(2) **تلاوت منسوخ لیکن حکم باقی:** مثال: رجم کی سزا "الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجموهما البتة "تو یہاں سزا کا حکم باقی ہے مگر تلاوت باقی نہیں۔ (متفق علیہ)

(3) **حکم منسوخ لیکن تلاوت باقی:** جیسا کہ "والذين يتوفون منكم---الى الحول غير اخراج" اس کا حکم منسوخ ہے، جبکہ تلاوت باقی ہے۔

(2) قرآن کا نسخ سنت سے: اسکی دو صورتیں ہیں: (1) **قرآن کا سنتِ متواترہ سے منسوخ ہونا؛** یہاں دو قول ہیں۔

جمہور علماء کے نزدیک سنت متواترہ سے قرآن کا نسخ جائز ہے اور یہی راجح قول ہے.

(2) **قرآن کا سنت احاد سے منسوخ ہونا؛** یہاں بھی دو قول ہیں:

پہلا قول: یہ نسخ جائز نہیں، کیونکہ قرآن قطعی الثبوت ہے جبکہ خبر واحد ظنی ہے [جمہور]

دوسرا قول: یہ جائز ہے، کیونکہ قرآن ظنی الدلالہ ہے اور خبر واحد بھی ظنی الدلالہ ہے۔ [اہل ظاہر]۔

راجح: دوسرا موقف ہے، کیونکہ ایسا واقع ہو چکا ہے۔ جیسا کہ "كتب عليكم اذا حضر احدكم الموت ان ترك خيرا الوصية...." یہ منسوخ ہے، جبکہ اس کی ناسخ حدیث: "ان الله اعطىٰ كل ذى حق حقه فلا وصية لوارث"

(3) سنت کا قرآن سے منسوخ ہونا: اس میں دو قول ہیں:

پہلا قول: یہ نسخ جائز، کیونکہ قرآن سنت سے زیادہ قوی ہے اور یہی موقف راجح ہے، کیونکہ یہ عملاً واقع بھی ہوا ہے، جیسا کہ قبلہ کی تحویل [جمہور]

دوسرا قول: یہ نسخ جائز نہیں، کیونکہ "وانزلنا اليك الذكر لتبين للناس ما نزل اليهم"، یہاں سنت کو قرآن کا بیان کہا گیا ہے، جبکہ ناسخ اصل میں بیان کو کہتے ہیں، تو کیا قرآن سنت کا بیان ہو سکتا ہے؟ ہر گز نہیں، لہٰذا یہ نسخ جائز نہیں۔ [شافعیہ]

(4) سنت کا سنت سے نسخ: اس کی چار صورتیں ہیں؛ 1- **متواتر سنت کا دوسری کسی متواتر سنت سے نسخ** (بالاتفاق جائز)

2- **خبر واحد کا خبر واحد سے نسخ**، یہ نسخ بھی بالاتفاق جائز ہے کیونکہ درجہ میں دونوں برابر ہیں، **"كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها"**.

3- **خبر واحد کا خبر متواتر سے نسخ:** یہ بھی بالاتفاق جائز ہے، کیونکہ متواتر زیادہ قوی ہے خبر واحد سے۔

4- **متواتر کا خبر واحد سے نسخ:** اس میں دو قول ہیں: **پہلا قول:** یہ جائز نہیں [جمہور] **دوسرا قول:** یہ نسخ جائز ہے [اہل ظاہر]۔

الراجح: یہاں اہل ظاہر کا موقف ہی راجح ہے کیونکہ جب خبر واحد صحیح ثابت ہو جائے تو وہ قطعی ہوتی ہے اور علمِ یقینی کا فائدہ دیتی ہے۔ جیسا کہ تحویل قبلہ کیوقت ایک شخص کی خبر پر نمازیوں نے رخ بدل لیا۔

دوسرا مصدر شریعت: سنت مطہرہ

سنت کی لغوی تعریف: وہ عام راستہ جس پر لوگ چلتے ہوں.

اصطلاحاً: محدثین کے نزدیک: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال وتقریرات اور آپ کی جبلّی واخلاقی صفات اور آپ کی تمام اخبار جن کا تعلق چاہے قبل از بعثت یا بعد از بعثت.

فقہاء کے نزدیک: جس کام کے کرنے کا شارع نے حکم دیا ہے لیکن اسے فرض یاواجب قرار نہیں دیا.

علماء اصول کے نزدیک: "ما صدر عن النبی صلی الله علیه وسلم غیر القرآن من قول أو فعل أوتقریر"

.

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اقوال وافعال اور تقریرات جن سے شرعی احکام کا استنباط کیا جاتا ہے.

سنت کی اقسام: تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت کی تین اقسام ہیں:

1- **سنت قولیہ:** شرعی احکام میں آپ صلی اللہ علیہ کے اقوال، فرمایا: "انما الأعمال بالنیات".

2- **سنت فعلیہ:** شریعت کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کام کیا. جیسے آپ کا نماز پڑھ کر دکھانا.

نوٹ: یاد رہے جو آپ کے جبلی افعال یا آپ کی خاصیات میں سے ہیں وہ ہمارے لئے سنت نہیں ہیں.

3- **سنت تقریریہ:** آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی بات کہی گئی یا کوئی کام کیا گیا اور آپ نے خاموشی فرمائی، جیسا کہ آپ کے سامنے بچیوں نے اسلامی گیت گائے یا آپ کے سامنے فجر کی نماز کے بعد فجر کی سنتیں پڑھی گئیں اور آپ نے خاموشی کا اظہار فرما کر اس کے مشروع ہونے کی طرف راہنمائی فرمائی.

سنت کی حجیت کا بیان: سنت کا اتباع واجب ہے یہ قرآن ہی طرح حجت ہے درج ذیل دلائل سے اس کی وضاحت ہوتی ہے

حجیت سنت پر قرآن کی دلالت: آیات کثیرۃ منھا:

1. ((وما ینطق عن الهوی إن هو إلا وحی یوحی)) آپ صلی اللہ علیہ وسلم شریعت کے معاملہ میں جو بھی گفتگو فرماتے ہیں وہ وحی ہی ہوتی ہے.

2- ((وأنزلنا إلیك الذکر لتبین للناس مانزل إلیهم)) آپ قرآن کے شارح ومبین ہیں اگر آپ کی وضاحت حجت نہیں تو آپ کو مبین قرار دینے کوئی فائدہ نہیں.

3- ((من یطع الرسول فقد أطاع الله)) رسول کی اطاعت دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہے.

حجیت سنت پر سنت کی دلالت: أحادیث کثیرۃ منھا:

1- میں تم دو چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم انہیں مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول. (موطأ امام مالک و مستدرک حاکم)

2. تم میری اور خلفائے راشدین مھدیین کی سنت کو لازم پکڑو اور اسے مضبوطی سے تھام لو. (سنن أبی داود)

اجماع کی دلالت: عہد نبوت سے لیکر آج تک کے علماء کا اجماع ہے کہ سنت ثابت ہو جانے کے بعد اس کی مخالفت کرنا قطعاً جائز نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ھیں: " أجمع المسلمون على أن من استبانت له سنة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يحل له ان يدعها كائنامن كان"

تمام مسلمانوں کا اجماع ہے جب سنت ثابت ہو جائے تو اس کی مخالفت کسی کیلئے جائز نہیں چاہے وہ کوئی بھی ہو.

سند کے اعتبار سے سند کی اقسام: اس کی تین قسمیں ہیں: (یہ تقسیم علمائے حنفیہ کے اعتبار سے ہے)

پہلی قسم: سنت متواترہ یا حدیث متواتر: اس کا لغوی معنیٰ تتابع کوئی کام لگاتار کرنا. **اصطلاحی معنیٰ:** وہ حدیث جس کے بیان کرنے والے تعداد میں اتنے زیادہ ہوں کہ ان کا جھوٹ پر اکٹھا ہونا ناممکن ہو اور وہ اپنے جیسی تعداد سے بیان کریں اور ان کی خبر یا حدیث کا تعلق حس و مشاہدہ کے ساتھ ہو.

شروط حدیث متواتر: 1- بیان کرنے والے رواۃ کی تعداد اتنی ہو کہ ان کا جھوٹ پر اتفاق ناممکن ہو.

2. یہ تعداد سند کے تمام طبقات میں یکساں ہو. 3- ان کی خبر کا تعلق مشاہدہ و سماع کے ساتھ ہو.

حدیث متواتر کا فائدہ: یہ علم یقین کا فائدہ دیتی ہے اور قطعی الثبوت ہوتی ہے اور یہ شریعت کا بالاتفاق مصدر ہے.

حدیث متواتر کی اقسام: اس کی دو قسمیں ہیں: قولی اور فعلی، قولی کی پھر دو قسمیں ہیں :

متواتر قولی لفظی: جس حدیث کے لفظ آپ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہوں جیسے "من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار".

متواتر قولی معنوی: جس کا لفظ تو متواتر نہیں لیکن اس کا معنیٰ کئی احادیث میں بیان ہوا ہے جو تواتر تک پہنچ رہا ہے. جیسے حدیث "انما الأعمال بالنیات".

متواتر فعلی یا عملی: یعنی جو بھی شعائر اسلام کے بارے میں منقول ہیں جیسے نماز.

دوسری قسم: سنت مشہورہ یا حدیث مشہور: وہ حدیث جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک یا دو راوی بیان کرنے والے ہوں پھر تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں وہ حدیث متواتر ہو جائے. یعنی پہلے زمانہ میں وہ خبر واحد ہے اور دوسرے اور تیسرے زمانہ میں متواتر ہوگئی. مثلاً: حدیث انما الأعمال بالنیات.

احناف کے نزدیک حدیث مشہور کا حکم: * یہ عمل کرنے کے اعتبار سے متواتر کے قائمقام ہے

* یہ مصادر شریعت میں سے ایک مستقل شرعی مصدر ہے. * یہ متواتر سے ہلکے درجے کی ہے اور خبر واحد سے اوپر ہے اور علم طمانینت کا فائدہ دیتی ہے... جبکہ جمہور علماء کے نزدیک یہ خبر واحد کی قسم ہے اور ظن کا فائدہ دیتی ہے.

تیسری قسم: خبر واحد: تعریفہ عند الجمہور: وہ روایت جس میں تواتر کی شرطیں یا شرط نہ پائی جائے.

تعریفہ عند الحنفیہ: جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرنے والے حد تواتر تک نہ پہنچتے ہو، اور نہ ہی وہ دوسرے یا تیسرے زمانہ میں جا کر تواتر تک پہنچے بلکہ وہ تمام زمانوں میں خبر واحد ہی رہے.

خبر واحد کا فائدہ: دو قول ہیں: **پہلا قول:** یہ ظن کا فائدہ دیتی ہے [الجمہور] **دوسرا قول:** یہ یقین کا فائدہ دیتی ہے [الظاہریہ]

راجح قول: اگر خبر واحد کے ساتھ قرائن موجود ہوں تو یہ یقین کا فائدہ دیتی ہے.

حجیت خبر واحد: مجمل طور پر اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عمل کے اعتبار سے خبر واحد حجت ہے اس پر عمل کرنا واجب ہے

حجیت خبر واحد کے دلائل:

1- آیت مبارکہ: ((فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم ...))الآية

وجہ دلالت: طائفہ کا لفظ ایک آدمی پر بھی بولا جاتا ہے اگر خبر واحد حجت نہ ہوتی تو ایک آدمی کی تبلیغ وانذار کا کوئی فائدہ نہ ہوتا.

2- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ آپ نے مختلف علاقوں کی جانب مبلغ قاضی اور زکاۃ وصول کرنے کے لئے عامل ایک ایک شخص کو بنا کر بھیجا اگر خبر واحد حجت نہ ہوتی تو آپ کبھی بھی ایک آدمی کو مبلغ بنا کر نہ بھیجتے.

3- اجماع صحابہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے بے شمار واقعات میں خبر واحد کو قبول کیا جیسے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دادی کو چھٹا حصہ خبر واحد ہی کی بنا پر دیا. حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیوی کو اس کے شوہر کی دیت سے وارث بنایا.

خبر واحد کو قبول کرنے کی شرائط: کیا خبر واحد کو قبول کرنے کی کوئی شرائط بھی ہیں اس میں دو قول ہیں:

پہلا قول: جب خبر واحد صحیح سند سے ثابت ہو تو وہ حجت ہے اس کے قبول کی کوئی شرط نہیں [الشافعیہ والحنابلہ والظاہریہ]

دوسرا قول: اس کے قبول کی کچھ شرائط بھی ہیں [الحنفیہ والمالکیہ]

شروط الحنفیہ: تین شرطیں ہیں:

1- حدیث کا تعلق عموم بلوی (ایسا مسئلہ نہ ہو جو عام لوگوں کو پیش آتا ہو) سے نہ ہو جیسے رفع الیدین والی حدیث یہ خبر واحد ہے اس کا تعلق روز مرہ کے مسائل سے ہے لہذا یہ قبول نہ ہو گی.

2- حدیث ثابت اصولوں کے خلاف نہ ہو جبکہ اس کا راوی بھی غیر فقیہ ہو یا قیاس صحیح کے مخالف ہو. جیسے حدیث مصراۃ (جانور کے تھنوں کا دودھ دو تین دن روک کر فروخت کرنا، حدیث میں ہے کہ یہ دھوکہ ہے لہذا خریدنے والے کو اختیار ہے کہ سودا فسخ کر دے اور ایک صاع کھجوروں کا واپس کرے) حنفیہ نے اس حدیث کو قبول نہیں کیا کیونکہ راوی حدیث حضرت ابو ہریرۃ- نعوذ باللہ- غیر فقیہ ہیں اور یہ حدیث اصول الخراج بالضمان اور الضمان بالمثل او بالقیمۃ کے مخالف ہے.

3- حدیث کا راوی حدیث کے خلاف عمل نہ کرے ورنہ حدیث کو قبول نہ کیا جائے گا. جیسے حدیث میں ہے کتا برتن میں منہ ڈال دے تو سات مرتبہ برتن کو دھوئ.

حنفیہ نے اس حدیث کو رد کیا ہے کیونکہ راوی حدیث ابو ھریرۃ کا عمل تین مرتبہ دھونے کا ہے

مالکیہ کی شروط: دو شرطیں ہیں:

1- حدیث عمل اہل مدینہ کے مخالف نہ ہو لہذا انہوں نے حدیث "المتابیعان بالخیار" کو عمل اہل مدینہ کی وجہ سے رد کر دیا.

2- حدیث اصول ثابتہ اور شرعی قواعد کے مخالف نہ ہو جیسے حدیث مصراۃ ہے (حنفیہ کی طرح)

راجح قول: پہلا قول حنابلہ و شافعیہ کا قول راجح ہے ان شرطوں کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ جب حدیث صحیح سند سے ثابت ہو تو شریعت کا ایک مستقل اصول لھذا راوی کا عمل یا عمل اہل مدینہ یا کسی اور اصول کی مخالفت کوئی معنی نہیں رکھتی. بلکہ وہ ایک استثنائی حکم مانا جائے گا.

سنت سے ثابت ہونے والے احکام کی تفاصیل: یہ احکام چار اقسام پر مشتمل ہیں

1- تاکیدی احکام، یعنی یہ احکام قرآن میں بھی موجود ہیں اور سنت نے بھی ان کو بیان کیا ہے. جیسے عقوق الوالدین.

2- قرآن کے مجمل احکام کی وضاحت، جیسے نماز زکاۃ اور حج وغیرہ کی تفاصیل.

3- قرآن کے مطلق کی تقیید اور عام کی تخصیص.

4- مستقل احکام جو قرآن میں موجود نہیں. جیسے گھریلو گدھے کے گوشت کی حرمت اور خالہ و بھانجی کو ایک نکاح میں جمع کرنا.

تیسرا مصدر شریعت: اجماع

اجماع کی تعریف: لغوی معنی ہے کسی چیز کا پختہ ارادہ کرنا. **اصطلاحی تعریف:** "اتفاق المجتهدين من الأمة الإسلامية في عصر من العصور على حكم شرعي بعد وفاة النبي صلى الله عليه وسلم ".

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاۃ کے بعد امت اسلامیہ کے تمام مجتہدین کا کسی زمانہ میں کسی ایک مسئلہ پر متفق ہو جانا.

سوال: کیا تمام مجتہدین کا اتفاق ضروری ہے **جواب:** اس میں تین اقوال ہیں:

1- ایک عالم بھی مخالفت کرے تو اجماع منعقد نہ ہو گا. 2- ایک دو تین آدمیوں کی مخالفت ہو تو اجماع منعقد ہو جائیگا.

3-اکثر علماء کا اتفاق اجماع ہی ہے.

راجح قول: پہلا قول ہی راجح ہے ایک عالم بھی مخالف ہو تو اجماع منعقد نہ ہو گا.

حجیت اجماع اور اس کے دلائل: جب اجماع ثابت ہو جائے تو وہ شرعی قطعی حجت ہے اس کی مخالفت کرنا جائز نہیں.

دلیل 1: قال تعالی:((ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصله جهنم وساءت مصيرا)). **وجہ دلالت:** مسلمانوں کے راستے کی مخالفت پر شدید وعید سنائی گئی ہے کیونکہ ان کا راستہ حق ہے اور واجب الاتباع ہے اور یہی اجماع ہے.

دلیل 2: حدیث میں ہے:" لا تجتمع أمتي على ضلالة" وفي رواية: لا تجتمع أمتي على خطأ".

وجہ دلالت: امت کا گمراہی پر مجتمع نہ ہونا یہ معنی تواتر کے ساتھ ثابت ہے تو ثابت ہوا کسی بات پر امت کا مجتمع ہونا حق اور درست ہونے کی دلیل ہے اور امت کا اجماع مجتہدین کے اجماع کی شکل میں ہی ہوتا ہے.

دلیل 3: مجتہدین کا اتفاق کسی نہ کسی دلیل ہی کی بنا پر ہوتا ہے کیونکہ اجتہاد خواہشات نفس کی بنا پر نہیں ہوتا. بلکہ قواعد ودلائل کی بنا پر ہوتا ہے لہذا جب اجماع ہوا تو معلوم ہوا یقینا یہاں پر کوئی شرعی دلیل موجود ہے.

اجماع کی اقسام: اس کی دو قسمیں ہیں اجماع صریح اور اجماع سکوتی.

1-اجماع صریح: فقہاء کرام کی جماعت ایک جگہ پر جمع ہو کر کسی مسئلہ پر متفق ہو جائیں...یا...وہ مختلف جگہ پر ہوں لیکن وہ ایک رائے پر اتفاق کر لیں...یا... کسی نے فتوی دیا اور باقی تمام لوگوں نے اس پر اتفاق کر لیا، یہ اجماع بلا خلاف حجت ہے.

2-اجماع سکوتی: بعض لوگ اپنی رائے کا اظہار کریں اور وہ رائے مشہور ہو جائے اور دوسرے علماء تک پہنچ جائے لیکن وہ نہ اس کی مخالفت کریں اور نہ ہی اس کی موافقت کریں.

اجماع سکوتی کا حکم: اسے قبول کرنے کے بارہ میں تین اقوال ہیں:

پہلا قول: یہ اجماع نہیں ہے. [المالكية والشافعية] **ان کی دلیل:** اسلئے کہ خاموش آدمی کا کوئی قول نہیں ہوتا کبھی وہ اجتہاد نہ ہونے کی وجہ سے خاموش ہوتا ہے کبھی وقت کافی نہ ہونے کی وجہ سے رائے کا اظہار نہیں کرتا اور کبھی وہ

سمجھتا ہے کہ یہ صرف ایک رائے اس کی حمایت یا مخالفت کی کوئی ضرورت نہیں. وغیرہ، ان احتمالات کی بنا پر اس کی خاموشی موافقت پر محمول نہ ہو گی.

دوسرا قول: یہ اجماع حجت قطعیہ اور اجماع صریح ہی کی طرح ہے بس اس سے قوت میں تھوڑا سا کم ہے لہذا اسکی مخالفت جائز نہیں [اکثر الحنفیہ و قول للحنابلہ] **ان کی دلیل:** قرائن کی موجودگی میں خاموشی بھی موافقت پر دلالت کرتی ہے خاص طور پر جب مجتہد کو اجتہاد کیلئے کافی وقت مل جائے اور رائے ظاہر کرنے میں کوئی رکاوٹ بھی نہ ہو. یہ قرائن موافقت کی دلیل ہیں.

تیسرا قول: یہ اجماع تو نہیں لیکن حجت ظنیہ ہے **ان کی دلیل:** اجماع کی حقیقت یہ ہے کہ تمام فقہاء کا اتفاق ہو اور سکوت موافقت بھی نہیں لیکن قرائن کی موجودگی میں اسے حجت ظنیہ شمار کیا جائیگا.

راجح قول: صاحب وجیز نے دوسرے قول کو راجح قرار دیا ہے خاص طور پر جب مجتہدین کو اجتہاد کیلئے کافی وقت مل جائے اور کوئی رکاوٹ بھی نہ یعنی مکمل قرائن کے ساتھ. واللہ تعالی اعلم.

اجماع کی دلیل: علمائے اصول کا کہنا ہے کہ اجماع لازما کسی دلیل کی بنا پر ہوتا ہے

- کبھی وہ دلیل کتاب اللہ سے ہوتی ہے جیسے دادی ونانی اور نواسی سے نکاح کرنا حرام ہے دلیل:

((حرمت عليكم أمهاتكم وبناتكم)) اُم اور بنت کا لفظ ماں اور بیٹی کیلئے لیکن اجماع کہ ماں اوپر کے درجے تک اور بیٹی نیچے تمام درجوں تک.

- اور کبھی دلیل سنت ہوتی ہے، اجماع ہے کہ دادی کا چھٹا حصہ ہے -لأن النبي صلی اللہ علیہ وسلم أعطی الجدۃ السدس.
- اور کبھی اجتہاد و قیاس کی بنا پر ہوتا ہے جمہور نے اسے جائز اور داود ظاھری اور امام طبری نے ناجائز قرار دیا ہے.

راجح: راجح قول جمہور کا ہے مثلا صحابہ کا قرآن کے جمع کرنے پر اجماع کرنا دلیل: مصلحت کی خاطر، اور مصلحت اجتہاد کی ایک قسم ہے. اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جمعہ کے دن دوسری اذان شروع کروانا اور اس پر صحابہ کا اتفاق اور یہاں بھی دلیل مصلحت ہی ہے.

شریعت کا چوتھا مصدر قیاس

قیاس کی تعریف: لغۃ: 1-ماپنا 2-مقارنہ وموازنہ کرنا.

اصطلاحاً: "إلحاق ما لم يرد فيه نص على حكمه ، بما ورد فيه نص على حكمه في الحكم ، لا شتراكهما في علة ذلك الحكم ".

فرع کو اصل کے ساتھ ملانا دونوں کے علت میں مشترک ہونے کی وجہ سے.

اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں نص موجود نہیں اور ایک دوسرے مسئلہ میں جو اسی جیسا ہے نص موجود ہے چنانچہ پہلے مسئلہ کو دوسرے مسئلہ کا حکم دے دینا کیونکہ دونوں میں علت ایک جیسے پائی جاتی ہے. قیاس کہلاتا ہے.

نوٹ: قیاس کوئی نیا حکم ثابت نہیں کرتا بلکہ ایک چھپے ہوئے حکم کو ظاہر کرتا ہے.

قیاس کے ارکان: چار ارکان ہیں: 1-اصل، اسے مقیس علیہ بھی کہتے ہیں. 2-حکم الاصل، شرع کا حکم جو اصل کے بارے میں وارد ہوا ہے. 3-فرع، اسے مقیس بھی کہتے ہیں وہ مسئلہ جس کے بارہ میں حکم وارد نہیں ہوا.

4-علت، یہ وہ وصف ہے جس کی وجہ سے شارع نے کسی چیز کا حکم ذکر کیا ہے.

قیاس کی مثالیں: 1- کھجور کا نبیذ حرام ہے شراب پر قیاس کرتے ہوئے کہ دونوں میں علت اسکار (نشہ) پائی جاتی ہے.

2-اگر موصی لہ اپنے موصی کو قتل کر دیتا ہے تو موصی لہ کو وصیت سے محروم کر دیا جائے گا اس وارث پر قیاس کرتے ہوئے جو اپنے مورث کو قتل کر دے دونوں میں علت یہ ہے کہ جس نے کوئی چیز اس کے وقت سے پہلے حاصل کرنے کی کوشش کی اسے اس چیز سے محروم کر دیا جاتا ہے. [موصی: وصیت کرنے والا، موصی لہ: جس کیلئے وصیت کی جائے.]

قیاس کی شروط: قیاس اس وقت تک درست نہ ہوگا جب تک اس میں یہ شرطیں نہ پائی جائیں.

اُولاً: اصل کی شروط : اس کی صرف ایک شرط ہے، وہ یہ کہ اصل کسی اور اصل کی فرع نہ ہو یعنی حکم اصل کسی نص یا اجماع سے ثابت ہو.

ثانیاً: حکم اصل کی شروط: اس کی چار شرطیں ہیں:

1. حکم شرعی اور عملی ہو کتاب یا سنت کی نص سے ثابت ہو.

اگر اجماع سے ثابت ہو تو اس میں قیاس کرنے میں دو قول پر اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ قیاس درست نہیں کیونکہ اجماع میں دلیل نہیں ہوتی لہذا ہم علت کو کیسے پہچانے گے.

دوسرا قول یہ ہے کہ قیاس صحیح ہے اور یہی قول راجح ہے کیونکہ معرفت علت کبھی اصل اور اس کے حکم مابین مناسبت کو دیکھ ہو جاتی ہے.

2. اصل کا حکم معقول المعنی (یعنی ایسی علت پر مشتمل ہو جسے عقل معلوم کر سکتی ہو) جیسے شراب کی حرمت کی علت اسکار ہے اور قاتل کو میراث سے محروم کرنے کی علت کسی چیز کو وقت سے پہلے حاصل کرنا ہے.

اگر حکم تعبدی ہو تو اس پر قیاس کرنا درست نہیں جیسا کہ نماز کی تعداد رکعات ہے.

3. اصل کی ایسی علت ہو جس کا فرع میں متحقق ہونا ممکن ہو جیسا کہ امثلہ قیاس میں گزرا ہے، اگر علت صرف اصل میں محصور و مقصور ہو یعنی علت قاصرہ ہو تو قیاس درست نہیں جیسا کہ سفر پر قیاس کرنا درست نہیں

.

4. حکم اصل اصل کے ساتھ مختص نہ ہو و گرنہ اس پر قیاس کرنا ممکن نہ ہو گا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چار عورتوں سے زائد شادی کرنا، یا جیسے خزیمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کو دو کے قائمقام قرار دینا.

ثالثاً: فرع کی شروط: اس کی دو شرطیں ہیں:

1. فرع کا حکم غیر منصوص ہو کیونکہ اس کا حکم قیاس سے ہو گا نص سے نہیں، اسی لئے کہا جاتا ہے نص کی موجودگی میں قیاس واجتھاد درست نہیں.

2. اصل کی علت فرع میں بھی موجود ہو، کیونکہ اگر فرع علت میں اصل کے مساوی نہ ہو تو حکم میں مساوات نہ ہو سکے گی.

رابعاً: علت کی شروط: علت کی پانچ شروط ہیں:

1. أن تكو ن العلة وصفا ظاهرا: علت ایک ظاہری وصف ہو، یعنی علت کو وجود اصل اور فرع میں پایا جانا ممکن ہو جیسے شراب میں اسکار (نشہ) کا وصف ہے تو ضروری ہے کہ یہی وصف فرع میں موجود ہو.

مثال آخر: قصاص کی علت قتل عمد وعدوان ہے لیکن عمد (جان بوجھ کر کرنا) غیر ظاہر وصف ہے چنانچہ شارع نے اس کے قائمقام تلوار یا بندوق یا پسٹل کو کو قرار دیا ہے.

2. أن تكو ن وصفا منضبطاً: علت ایک محدود وصف ہو، اشخاص واحوال کے بدلنے سے تبدیل نہ ہوتا ہو مثل اسکار کا وصف، اس کی ایک معین حقیقت ہے جب وہ کسی مشروب میں پائی جائے تو وہ مشروب حرام ہو جائے گا.

3. أن تكون وصفا مناسباً للحكم : علت ایک ایسا وصف ہو جو حکم کے مناسب ہو. یعنی اس کے ساتھ حکم کو جوڑنا یہ حکم کی حکمت ثابت کرتا ہو جیسے: قتل عمد عدوان قصاص کے ساتھ جوڑنے کیلئے مناسب وصف ہے .اسی طرح قتل حرمان میراث کے ساتھ جوڑنے کیلئے مناسب وصف ہے جب مقتول اس کا مورث ہو. کیونکہ غالب امکان ہے ایسا کرنے حکم کی حکمت ثابت ہو جائیگی یعنی اس کے ذریعے لوگوں کو زیادتی کرنے سے روک دیا جائیگا.

اگر وصف مناسب نہ ہو تو اسے وصف طردی یا غیر اتفاقی کہا جاتا ہے جیسے شراب کے رنگ کا سرخ یا سیاہ ہونا.

4. أن تكون وصفا متعدياً: علت اصل پر قاصر نہ ہو بلکہ متعدی ہو اگر قاصرہ ہو گی تو قیاس نہ ہو گا جیسے سفر رمضان میں فطر کی علت ہے یہ علت قاصرہ ہے متعدیہ نہیں، اسکار علت متعدیہ ہے .

5. علت ایسے اوصاف میں سے نہ ہو جسے شارع نے ملغی قرار دیا ہو جیسے بنوۃ کے وصف میں بیٹا اور بیٹی دونوں شامل ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں میراث میں برابری حیثیت رکھتے ہیں لیکن شرع نے اس وصف کو ملغی قرار دیا ہے اور فرمایا: "للذكر مثل حظ الأنثيين " .

وصف مناسب کے معتبر یا ملغی ہونے کے اعتبار سے اقسام:

#شروط علت میں سے ہے کہ علت ایسا وصف ہو جو حکم سے مناسبت رکھتا ہو یعنی وہ وصف حکم کی حکمت اور غرض کو ثابت کرتا ہو. اس اعتبار سے اس کی چار قسمیں ہیں

1. مناسب مؤثر: وہ وصف جسے شارع نے بعینہ علت بننے کیلئے معتبر قرار دیا ہو. یعنی اسی کی وجہ سے حکم وارد ہوا ہو.

مثلاً:((یسألونک عن المحیض قل ھو أذی فاعتزلوا النساء عن المحیض)) یہاں عورتوں سے علیحدہ رہنے کی علت حیض کو قرار دیا ہے گویا کہ حکم اسی کی وجہ سے وارد ہوا ہے.

2. مناسب ملائم: وہ وصف جس کو شارع نے بعینہ حکم کی علت نہ قرار دیا ہو لیکن :

#کوئی شرعی دلیل بتا رہی ہو کہ اس وصف کو جنس حکم کیلئے علت قرار دیا ہے یا:

#کوئی شرعی دلیل بتا رہی ہو کہ اس وصف کی جنس کو عین حکم کیلئے علت قرار دیا ہے یا:

#کوئی شرعی دلیل بتا رہی ہو کہ اس وصف کی جنس کو جنس حکم کیلئے علت قرار دیا ہے.

عین وصف کو جنس حکم کیلئے علت قرار دینے کی مثال: صغر (چھوٹا ہونا) یہ ایک وصف جو جنس ولایت کی علت ہے یعنی ولایت تزویج کی بھی ہوتی ہے اور ولایت مال کی بھی.

جنس وصف کو جنس حکم کیلئے علت قرار دینے کی مثال: سفر میں دو نمازیں جمع کرنا جائز ہے اسی طرح بارش میں بھی دو نمازیں جمع کی جا سکتی ہیں، یہاں سفر اور مطر جنس وصف ہے یعنی دونوں مشقت کا باعث ہیں اور عین حکم یعنی دو نمازوں کو جمع کرنے کا سبب ہے.

جنس وصف جنس حکم کیلئے علت قرار دینے کی مثال: تھوڑی شراب حرام ہے کیونکہ وہ زیادہ پینے کا ذریعہ ہے اسی طرح عورت سے خلوت اختیار کرنا حرام ہے کیونکہ وہ بڑی برائی کی طرف لے جانے والی ہے، تو یہاں دو وصف ہیں تھوڑی شراب اور خلوت، یہ ایک جنس ہیں کہ دونوں ذریعہ بن رہے بڑی برائی کا اور بڑی برائی بھی ایک جنس ہے.

3. مناسب مرسل: وہ وصف جس کے معتبر یا ملغی ہونے پر کوئی خاص دلیل موجود نہ ہو لیکن اس وصف پر حکم مرتب کرنے سے کوئی ایسی مصلحت، فائدہ حاصل ہو رہا ہو جس کی تائید عمومی دلائل سے ہوتی ہو.

مناسب مرسل مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک حجت ہے جبکہ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک حجت نہیں ہے.

مثال: قرآن کو جمع کرنا، جیل قائم کرنا، وغیرہ وغیرہ.

4. مناسب ملغی: وہ وصف جو ظاہر مناسب نظر آتا ہو لیکن شارع نے اسے ملغی قرار دیا ہو، مثلاً: بیٹی اور بیٹا دونوں وصف بنوۃ میں اکٹھے ہیں جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ دونوں میراث میں بھی برابر ہیں، لیکن شارع نے اسے ملغی قرار دیا ہے اور حکم دیا ہے.((للذكر مثل حظ الأنثيين)).

علت کے مسالک کا بیان: علت پہچاننے کے بہت سے طریقے ہیں ان میں سے چار مشہور طریقے ہیں:

1. النص: کوئی نص کسی وصف معین کے علت ہونے پر دلالت کرے، اور اس کی تین قسمیں ہیں:

الف: قطعی صریح نص وصف کے علت پر دلالت کرے جس میں علت کے علاوہ کوئی معنی نہ پایا جائے. مثلاً: " إنما نهيتكم عن ادخار لحوم الأضاحى لأجل الدافة فكلوا وادخروا". میں نے تمہیں قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے سے اس لئے منع کیا تھا کہ کچھ فقراء آ گئے تھے لہذا اب کھاؤ اور ذخیرہ بھی کروا. یہاں پر کلمہ "لأجل" ہے جو کہ صرف کسی چیز کے علت ہونے پر دلالت کرتا ہے.

باء: نص صریح ہے لیکن علت کے معنی پر قطعی نہیں ہے جیسے:((كتاب أنزلناه إليك لتخرج الناس من الظلمات إلى النور))

یہاں کلمہ "لتخرج" میں لام تعلیل کیلئے استعمال ہوا، اور یہ کبھی عاقبت کیلئے بھی آتا ہے. اسلئے وہ علت کے معنی قطعی نہیں ہے.

جیم: نص علت پر دلالت کرنے میں غیر صریح ہے. جبکہ کوئی قرینہ علت ہونے پر اشارہ کر رہا ہے. جیسے: کوئی جملہ حکم پر مشتمل ہے اس کی تاکید إن کے ساتھ بیان کی گئی ہو جیسے آپ نے بلی کے جوٹھے کے بارے میں فرمایا تھا" إنه ليس بنجس إنها من الطوافين عليكم والطوافات " یہ نجس نہیں ہے کیونکہ یہ تم پر چکر لگانے والیوں میں سے ہیں.

2. اجماع: کسی وصف کے علت ہونے پر اجماع ہو جائے جیسے فقہاء کرام کا اجماع ہے کہ حقیقی بھائی وراثت میں علاتی بھائی پر مقدم ہے اسی طرح وہ ولایت علی النفس میں بھی مقدم ہو گا.

3. سبر اور تقسیم کا طریقہ: سبر کا معنی اختبار اور تقسیم کا معنی جان پڑ تال کرنا، اس سے مراد یہ ہے کہ کسی حکم کی علت بننے کیلئے کئی اوصاف موجود ہیں مجتھد تمام اوصاف کی چھان پھٹک کرتا ہے اور جو وصف غیر صالح ہوتا ہے اسے ملغی کردیتا ہے اور آخر میں جو وصف صالح ہو اسے علت قرار دیتا ہے اسے سبر اور تقسیم کا طریقہ کہا جاتا ہے.

مثال: شراب حرام ہے، اس میں کئی وصف ہیں مثلاً: نشہ، رنگ کا کالا ہونا، اس کی بو، اس کا ذائقہ، اس کا انگور سے بننا وغیرہ، مجتھد تمام غیر صالح اوصاف کو ایک ایک کرکے ملغی کردیتا ہے اور آخر میں نشہ کے وصف کو علت قرار دیتا ہے.

4. تنقیح المناط: اس طریق بعض اصولیوں نے تسلیم کیا ہے، اس کا معنی ہے: شارع نے علت ذکر کردی ہے لیکن اسے اوصاف میں سے متعین نہیں کیا مجتھد زائد اوصاف کو حذف کرکے اصلی وصف کو علت قرار دیتا ہے، مثال:

ایک اعرابی نے رمضان میں ازدواجی تعلقات پر سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ کفارہ ادا کروا. (یہاں پر علت اور حکم دونوں موجود ہیں لیکن علت کی تعیین نہیں چنانچہ مجتھد ان اوصاف کا جائزہ لیتا ہے کہ وہ ایک بدوی تھا، یہ واقعہ مدینہ میں پیش آیا، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا وغیرہ وغیرہ پھر وہ فیصلہ کرتا ہے یہ سب اوصاف علت نہیں بن سکتے ان میں صرف ایک وصف ہے کہ رمضان میں ازدواجی تعلقات قائم کرنا.

تحقیق المناط اور تخریج المناط میں فرق: تخریج المناط کا معنی ہے: علت کا استخراج کرنا یعنی نص اور اجماع کے علاوہ سبر و تقسیم کے ذریعہ سے علت کا استنباط کرنا.

تحقیق المناط کا معنی ہے: جو علت اصل میں ثابت ہے اسے فرع میں ثابت کرنا.

قیاس کی اقسام علت کے قوی اور کمزور ہونے کے اعتبار سے: اس کی تین قسمیں ہیں: أولی، مساوی اور ادنی.

1- قیاس أولی: وہ قیاس جس میں فرع کی علت اصل کی بنسبت زیادہ قوی ہو چنانچہ اصل کا حکم فرع میں من باب أولی ثابت ہو گا. مثلاً: ((فلا تقل لهما أف)) آیت مبارکہ میں اُف کہنے کی حرمت بیان کی گئی ہے اور علت یہ ہے کہ اس لفظ میں اذیت پائی جاتی ہے چنانچہ والدین کو مارنا من باب أولی حرام ہے کیونکہ اس میں اذیت اُف کہنے کی بنسبت زیادہ ہے.

2- قیاس مساوی: جس میں فرع کی علت اصل کی علت کے قوت میں برابر ہو. مثلاً یتیم کا مال ظلما کھانا حرام ہے اسی طرح اس کے مال کو ضائع کرنا یا جلا دینا بھی حرام ہے کیونکہ دونوں میں علت اعتداء اور زیادتی کا ہونا پایا جاتا ہے.

3- قیاس اَدنی: جس میں فرع کی علت اصل کی علت سے کم درجے کی ہے مثل نبیذ کی حرمت کے شراب پر قیاس کرتے ہوئے علت دونوں میں نشے کا پایا جانا، اگرچہ شراب نشہ زیادہ اور نبیذ میں کم پایا جاتا ہے .

قیاس کی ایک اور تقسیم: قیاس جلی اور قیاس خفی

1- قیاس جلی: جس میں علت نص یا اجماع سے ثابت ہو جیسے گوبر سے استنجاء کرنا منع ہے اور اس کی علت شریعت نے رکس یا رجس ذکر کی ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے خشک خون سے استنجاء کرنے کو منع قرار دیا جائے گا.

قیاس خفی: جس میں علت اجتہاد سے ثابت ہو اور اصل وفرع میں قطعی طور پر فرق نہ ہونے کی نفی نہ کی جاسکے. جیسے اُشنان بوٹی میں تفاضل کو ناجائز قرار دینا گندم پر قیاس کرتے ہوئے کہ دونوں میں کیل یعنی پیمانہ کا ہونا پایا جاتا ہے.

قیاس کی حجیت: قیاس کی حجیت میں دو قول پر اختلاف ہے:

پہلا قول: قیاس ایک شرعی حجت اور مصادر شریعت میں سے ایک مصدر ہے[جمہور فقہاء کرام]

دوسرا قول: قیاس نہ تو شرعی حجت ہے اور نہ ہی مصادر شریعت میں سے مصدر ہے[ظاہریہ اور بعض معتزلہ]

پہلے قول کے دلائل: 1- فرمان باری تعالی ہے((فاعتبروا يا أولي الأبصار))

وجہ دلالت: اللہ تعالی نے مجرموں کی حالت سے عبرت حاصل کرنے کا حکم دیا کہ اگر تم نے مجرموں جیسے عمل کیے تو تمہیں وہی سزا ملے گی جو انہیں ملی اس میں اعتبار کا حکم دیا گیا وہ قیاس ہی ہے گویا کہ اللہ نے قیاس کا حکم دیا ہے.

2- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی احادیث میں قیاس کی طرف تنبیہ فرمائی ہے مثلاً: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کی یارسول اللہ میں نے ایک بڑا کام کر لیا ہے میں نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی کا

بوسہ لے لیا ہے آپ نے فرمایا کیا خیال ہے اگر تم روزے میں کلی کرو کہا کوئی حرج نہیں تو آپ نے فرمایا پھر کس چیز میں یعنی تیرے اس عمل میں بھی کوئی حرج نہیں آپ نے بوسہ کو کلی کرنے پر قیاس کیا.

3- حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو آپ نے پوچھا کیسے فیصلہ کروگے عرض کیا کتاب اللہ سے پھر سنت رسول سے پھر اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا تو آپ نے فرما اللہ کی تعریف ہے جس نے نبی کے قاصد کو ایسے کام کی توفیق دی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کر دینے والی ہے. (ترمذی وابو داود، اس حدیث کو کچھ علماء نے ضعیف اور کچھ نے صحیح کہا ہے لیکن یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً صحیح سند سے ثابت ہے)

4- صحابہ کرام کے بے شمار آثار قیاس کی حجیت پر دلالت کرتے ہیں جیسے حضرت عمر کا اثر ہے.

5- کتاب وسنت کی نصوص محدود ہیں جبکہ حادثات ووقائع لامحدود ہیں لہذا ضروری ہے احکام کی علتوں کو معلوم کرکے ان چیزوں کے احکام ذکر کیے جائیں جن کا حکم شریعت میں موجود نہیں تاکہ شریعت نئے واقعات کا حکم بیان کرنے سے تنگ نہ ہو جائے.

دوسرے قول کے دلائل: 1- قال تعالیٰ:((يا أيها الذين آمنوا لا تقدموا بين يدى الله ورسوله))

وجہ دلالت: قیاس کو ماننا اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنا ہے جو کہ منع ہے

2- صحابہ کرام کے بے شمار آثار ہیں جس میں انہوں نے قیاس اور رائے کی مذمت کی ہے مثلاً: حضرت عمر نے فرمایا:

"إياكم وأصحاب الرأي فإنهم أعداء السنن". اپنے آپ کو اصحاب رائے سے بچاؤ یقیناوہ سنتوں کے دشمن ہیں.

3- قیاس سے انتشار وافتراق پیدا ہوتا ہے اور افتراق وانتشار مذموم ہے چنانچہ قیاس بھی مذموم ٹھہرا.

راجح قول: جمہور علماء کرام کا ہے قیاس شرعی حجت ہے اور شرعی مصدر ہے قیاس تب کیا جاتا ہے جب نص موجود نہ ہو اور صحابہ کرام نے جو رائے کی مذمت کی یہ وہ رائے ہے جو نص کی موجودگی میں ہو. واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب.